

تمہاری نفرتوں میں پیار کی خوبیوں سادیں گے  
ہماری بزم میں آؤ، تمہیں اردو سکھا دیں گے

سنده ٹیکسٹ بک بورڈ کے نئے نصاب کے عین مطابق

# اردو (لازما)

جماعت گیارہوں بیان کے لیے

اعداد و ترتیب:

محمد حارث باسم



@HarisBasimHB

# مکمل شدید

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
00	انتساب	
01	کثیر الانتخابی سوالات	01 – 23
02	اسعارات کی تشریفات	24 – 62
03	نظموں کے مرکزی خیال	63 – 73
04	اسباق کے خلاصے	74 – 83
05	شعری اصطلاحات	84 – 90
06	سوالات و جوابات	91 – 109
07	اصناف سخن	110 – 118
08	نشرنگاروں کی نشرنگاری پر تبصرے	119 – 148
09	شاعر اکی شاعری پر تبصرے	149 – 189

## انتحساب

عزیزم والدین محترمین کے نام

جنھوں نے ہر اس پل جب میں لڑکھڑایا، مجھے سما رادیا  
اور جن کے حسن تربیت اور کمال نظر نے مجھے کسی قابل کیا

اور...

انتمائی محترم و موخر

جملہ اساتذہ کرام کے نام

جن کی بے پناہ شفقت، بے بہا محنت اور جا بجا حوصلہ افزائی ہی  
نے مجھ ایسے نالائق طفل مکتب کو کسی قابل بنایا

محمد حارث باسم

# کشیر الائچت کتابی سوالات

## حصہ نظر

### قومی اتفاق

1. سبق "قومی اتفاق" ان کی تحریر ہے :

\* سر سید احمد خان

\* محمد حسین آزاد

\* ڈپٹی نزیر احمد

2. شامل نصاب مضمون "قومی اتفاق" مأخوذه ہے :

\* مقدمہ شعرو شاعری

\* قصص المند

\* مقالات سر سید

3. سر سید نے یہ رسالہ جاری کیا :

\* تعلیم و تربیت

\* تہذیب الاخلاق

\* تہذیب اہماد

4. مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی غلط فہمی دور کرنے کیلئے سر سید نے یہ کتاب تحریر کی :

\* آثار الصنادید

\* اسباب بغاوت ہند

\* تہذیب الاخلاق

5. انھیں "اردو کا ایڈیشن" کہا جاتا ہے :

\* سر سید احمد خان

\* محمد حسین آزاد

\* ڈپٹی نزیر احمد

6. آثار الصنادید کے مصنف کا نام ہے :

\* علامہ شبی نعمانی

\* سر سید احمد خان

\* ڈپٹی نزیر احمد

7. انھیں جدید اردو ادب کا بانی کہا جاتا ہے :

\* سر سید احمد خان

\* محمد حسین آزاد

\* ڈپٹی نزیر احمد

8. دہلی کی عمارت اور علماء و شعراء کے بارے میں سر سید نے یہ کتاب تحریر کی :

\* تاریخ بنگور

\* آثار الصنادید

\* اسباب بغاوت ہند

9. ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد ﷺ" کے جواب میں سر سید نے یہ کتاب لکھی :

\* آثار الصنادید

\* خطبات احمدیہ

\* اسباب بغاوت ہند

10. ایم، اے، او کانج کی بنیاد انھوں نے رکھی :

\* سر سید احمد خان

\* محمد حسین آزاد

\* ڈپٹی نزیر احمد

11. اردو کے اس ادیب کو مصلح قوم کہا جاتا ہے :

\* خواجہ میر درد

\* محمد حسین آزاد

\* سر سید احمد خان

12. سر سید احمد خان کا سن پیدائش ہے :

۱۸۹۸ء \*

۱۸۱۸ء \*

۱۸۱۷ء \*

13. سر سید احمد خان کماں پیدا ہوئے ؟

\* دہلي

\* آگرہ

\* لکھنؤ

14. سر سید احمد کی وفات ہوتی :

۱۸۹۸ء \*

۱۸۱۸ء \*

۱۸۱۷ء \*

15. اردو کا مورث اعلیٰ انھیں کہا جاتا ہے :

\* سر سید احمد خان

\* محمد حسین آزاد

\* ڈپٹی نزیر احمد

16. تہذیب الاخلاق کیا ہے ؟

\* سفر نامہ

\* ناول

\* رسالہ

17. علیگڑھ اسکول کو کانج کا درجہ اس سن عیسوی میں دیا گیا :

۱۹۳۰ء \*

۱۹۲۰ء \*

۱۹۱۸ء \*

## زبان گویا

1. سبق "زبان گویا" ان کی تحریر ہے :

\* ڈپٹی نزیر احمد \* سر سید احمد خان \* الطاف حسین حالی

2. مضمون "زبان گویا" اس کتاب سے مانوذ ہے :

\* کلیات حالی - نثر

\* مقالات سر سید

\* مقالات شبی

3. اردو میں قومی شاعری کی ابتداء انھوں نے کی :

\* نظیر اکبر آبادی

\* علامہ اقبال

\* الطاف حسین حالی

4. یادگار غالب، حیات سعدی اور حیات جاوید ان کی تصانیف ہیں :

\* حالی

\* اقبال

\* غالب

5. انھیں اردو کا پہلا سوانح نگار کہا جاتا ہے :

\* حالی

\* شبی نعمانی

\* حسین آزاد

6.	"ہند کا سعدی" مس سوانح نگار کو کہا جاتا ہے؟	* شبلی	* نذیر احمد
7.	انھیں اردو کا پہلا تنقید نگار (نقاد) کہا جاتا ہے:	* حالی	* مولوی عبدالحق
8.	اردو کی پہلی سوانح عمری ہے:	* حسین آزاد	* مولوی عبدالحق
	* یادگار غالب	* حیات جاوید	* یادگار غالب
9.	مقدمہ شعرو شاعری ان کی تصنیف ہے:	* مولوی عبدالحق	* ڈپٹی نذیر احمد
10.	"یادگار غالب" کیا ہے؟	* افسانہ	* یادگار غالب
11.	تنقید کے موضوع پر اردو کی پہلی کتاب ہے:	* حیات جاوید	* یادگار غالب
	* مقدمہ شعرو شاعری	* ڈرامہ	* مقدمہ شعرو شاعری

## فاقہ کارروزہ

1.	سلق "فاقہ کارروزہ" ان کی تحریر ہے:	* ڈپٹی نذیر احمد	* محمد حسین آزاد
2.	مضمون "فاقہ کارروزہ" اس کتاب سے مأخوذه ہے:	* بیگمات کے آنسو	* مقالات شبلی
3.	"تصویر فطرت" انہیں کہا جاتا ہے:	* ڈپٹی نذیر احمد	* محمد حسین آزاد
4.	دہلی میں غدر اس سال پڑا:	* اع ۱۸۵۸*	* اع ۱۸۶۰*
5.	آخری مغل بادشاہ تھے:	* جلال الدین اکبر	* اور نگزیب عالمگیر
6.	بہادر شاہ ظفر کے بھائی کا نام تھا:	* مرزا بابر	* مرزا شہزاد
	* مرزا سلیم		

7. بہادر شاہ ظفر کے بھانجے کا نام تھا:
- \* مرزا سلیم
  - \* مرزا شاہ زور
8. مرزا سلیم کے گویے کا نام تھا:
- \* سلیمان شاہ
  - \* ننھن خان
9. غدر کے واقعات پر مشتمل خواجہ حسن نظامی کی تصنیف ہے:
- \* مصائبِ حسن نظامی
  - \* کرشن تھما
  - \* بیگمات کے آنسو

### تخلیق کائنات

1. سبق "تخلیق کائنات" ان کی تحریر ہے:
- \* آفتاب حسن
  - \* ڈپٹی نذیر احمد
  - \* محمد حسین آزاد
2. مسلمانوں نے کتنے سال تک سائنس کی خدمت کی؟
- \* دس
  - \* چار
  - \* پچھے
3. یورپ نے سائنس کا ترکہ کس سے حاصل کیا؟
- \* یہودی
  - \* ہندو
  - \* مسلمان
4. آفتاب حسن اس تعلیمی ادارے کے شعبہ تصنیف و تالیف کے سربراہ رہے:
- \* پنجاب یونیورسٹی
  - \* کراچی یونیورسٹی
  - \* اسلامیہ کالج
5. آفتاب حسن اس تعلیمی ادارے کے پرنسپل رہے:
- \* پنجاب یونیورسٹی
  - \* کراچی یونیورسٹی
6. آفتاب حسن نے سبق "تخلیق کائنات" میں اس سیاح کا ذکر کیا ہے:
- \* ارسطو
  - \* مارکوپولو
  - \* واسکو ڈی گاما
7. مارکوپولو کا تعلق اس ملک سے تھا:
- \* اٹلی
  - \* نیپال
  - \* چین

### کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں

1. سبق "کچھ ذریعہ تعلیم" کے باب میں "ان کی تحریر ہے:
- \* سرسید احمد خان
  - \* محمد حسین آزاد
  - \* ڈاکٹر ابواللیث صدیقی



5. اردو کا پہلا افسانہ ہے:

* زیور کا ڈبा	<u>* انمول رتن</u>	* رستم و سراب
* سوز وطن	* کیش نا	<u>* اسرارِ ما بعد</u>
* چمپا	* روپا	6. منشی پر یعنی چند کا پہلا ناول ہے:
* بیگم پر کاش	* ماتادیوی	7. چندر پر کاش کی بیوی کا نام ہے:
		* ڈولی
		8. ٹھاکر صاحب کی بیوی کا نام ہے:
		<u>* امدادیوی</u>

## بابا نور

1. سبق "بابا نور" ان کی تحریر ہے:

* سر سید احمد خان	* محمد حسین آزاد	<u>* احمد ندیم قاسمی</u>
		2. احمد ندیم قاسمی کا اصل نام تھا:
<u>* احمد شاہ</u>	* محمد ندیم	* محمد احمد
* نیلا پتھر	* برگ حنا	3. سبق "بابا نور" مانخوذ ہے:
		<u>* بازارِ حیات</u>

## آبِ حیات

1. سبق "آبِ حیات" ان کی تحریر ہے:

<u>* غلام ربانی آگرو</u>	* محمد حسین آزاد	* ڈپٹی نذیر احمد
* طزو و ظرافت	* سندھ کے بچے	<u>* آبِ حیات</u>
<u>* غلام ربانی آگرو</u>	* محمد حسین آزاد	2. سبق "آبِ حیات" مانخوذ ہے:
* اردو	* پنجابی	3. سندھی اور اردو کے مشوراء دیوب ہیں:
		<u>* سندھی</u>
		4. سبق "اس زبان میں لکھا گیا:

5. سبق آبِ حیات کا اردو ترجمہ انہوں نے کیا:  
\* شیخ ایاز علی  
\* ڈاکٹر حسرت
6. پطرس بخاری نے اس ادارے سے تعلیم حاصل کی:  
\* جامعہ کراچی  
\* اسلامیہ کالج  
\* اور نیشنل کالج
7. سندھ یونیورسٹی کے پہلے پرووسائس چانسلر مقرر ہوئے:  
\* ڈپٹی نزیر احمد  
\* محمد حسین آزاد
8. ڈاکٹر غلام ربانی آگرو کو اردو کے علاوہ اس زبان میں بھی عبور حاصل تھا:  
\* سندھی  
\* فارسی  
\* عربی
9. سبق "آبِ حیات" میں اس شہزادے کا ذکر ہے:  
\* شہزادہ چارلس  
\* شہزادہ مہران
10. سبق "آبِ حیات" میں اس شہزادے کا ذکر ہے:  
\* دریائے نیل  
\* دریائے مہران

## میدانِ جنگ

1. سبق "میدانِ جنگ" ان کی تحریر ہے:  
\* ڈپٹی نزیر احمد  
\* آغا حشر کا شمسیری  
\* سر سید احمد خان
2. سبق "میدانِ جنگ" مانوذتے ہے:  
\* رستم و سراب  
\* جاڑے کی چاندی  
\* اسیمہ حرص
3. اردو ڈرامے کا شیکسپر انھیں کہا جاتا ہے:  
\* ڈپٹی نزیر احمد  
\* آغا حشر کا شمسیری  
\* انتیاز علی تاج
4. آغا حشر کا شمسیری کا پہلا ڈراما ہے:  
\* رستم و سراب  
\* آفتابِ محبت  
\* صید ہوس
5. سبق "میدانِ جنگ" ، ڈراما رستم و سراب کا منظر ہے:  
\* باب سوم - چھٹا منظر  
\* باب دوم - چھٹا منظر  
\* باب سوم - پہلا منظر

## بیگم کی بی

1. سبق "بیگم کی بی" ان کی تحریر ہے :

\* سر سید احمد خان

\* محمد حسین آزاد

\* امتیاز علی تاج

2. سبق "بیگم کی بی" مانوذہ ہے :

\* دنیا گول ہے      \* امتیاز علی کے یک بابی ڈرامے

\* ابن بطوطة کے تعاقب میں

3. سبق "بیگم کی بی" اس نوعیت کا ڈرامہ ہے :

\* ریڈیائی

\* یک بابی

\* تاریخی

4. امتیاز علی تاج کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچانے والا ڈرامہ ہے :

\* بیگم کی بی

\* قرطبه کا فاضی

\* انار کلی

5. امتیاز علی تاج کا مشور ریڈیائی کردار ہے :

\* چاچا حیرت

\* وجہ حکمن

\* ماموں ملال

## تھرکی نادیہ کما نجی

1. سبق "تھرکی نادیہ کما نجی" ان کی تحریر ہے :

\* مستضمر حسین تارڑ

\* محمد حسین آزاد

\* ڈپٹی نزیر احمد

\* اور سندھ بہتا رہا

3. مستضمر حسین تارڑ موجودہ دور کے اس مشور میگزین میں ہفتہ وار کالم لکھتے ہیں :

\* خواتین ڈا جسٹ

\* فکشن میگزین

\* اخبارِ جہاں

4. نادیہ کما نجی کا تعلق تھا :

\* اٹلی

\* آسٹریا

\* روانیہ

5. مشور اولپک چمپن بکیلا کا تعلق اس ملک سے ہے :

\* اٹلی

\* استھنپیا

\* جاپان

## ملکہ بلقیس کا محل

1. سبق "ملکہ بلقیس کا محل" ان کی تحریر ہے:

\* قمر علی عباسی

\* محمد حسین آزاد

\* ڈپٹی نزیر احمد

2. سبق "ملکہ بلقیس کا محل" کا مأخذ ہے:

\* دنیا گول ہے

\* سات سمندر پار

\* عمان کے مہماں

3. سبق "ملکہ بلقیس کا محل" میں اس نبی کا ذکر ہے:

\* حضرت خضر

\* حضرت ابراہیم

\* حضرت سلیمان

4. ملکہ بلقیس کا تعلق اس شہر سے تھا:

\* شہر حلب

\* شہر دمشق

\* شہر بابا

5. سبق "ملکہ بلقیس کا محل" میں اس پرندے کا ذکر ہے:

\* الٰو

\* ہدہ

\* کبوتر

## خواہ مخواہ کی لڑائی

1. سبق "خواہ مخواہ کی لڑائی" ان کی تحریر ہے:

\* سرسید احمد خان

\* محمد حسین آزاد

\* شوکت تھانوی

2. شوکت تھانوی کا اصل نام تھا:

\* محمد عمر

\* محمد شوکت

\* شوکت محمد

\* جنم کہانیاں

\* مظاہمین شوکت

\* لاہوریات

\* ما بولت

\* مجھے خرید لو

\* موج تبسم

## مجوریاں

1. سبق "مجوریاں" ان کی تحریر ہے:

\* سرسید احمد خان

\* شفیق الرحمن

\* ڈپٹی نزیر احمد

2. شفیق الرحمن کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے :
- \* آنگن \* چاندنی \* کرنیں
3. سبق "مجبوریاں" کا مخذلہ ہے :
- \* شکوفہ \* حماقتیں \* پرواز

### ایک انار و صد بیمار

1. سبق "ایک انار و صد بیمار" ان کی تحریر ہے :
- \* سرسید احمد خان \* محمد حسین آزاد \* ابن انشاء
2. سبق "ایک انار و صد بیمار" ابن انشاء کے اس شاہکار سے مأخوذه ہے :
- \* خمار گندم \* دنیا گول ہے \* اردو کی آخری کتاب
3. "اردو کی آخری کتاب" اور "خمار گندم" کے مصنف ہیں :
- \* ابن انشاء \* شفیق الرحمن \* پطرس بخاری
4. ابن انشاء کا اصل نام تھا :
- \* محمد عمر \* شیر محمد خان \* احمد شاہ

### مخطوطات (خطوط)

1. خطوط نگاری کی ابتداء اس سلطنت سے ہوتی ہے :
- \* سلطنت روم \* سلطنت یونان \* سلطنت عثمانیہ
2. اردو میں جدید خطوط نگاری کی ابتداء انھوں نے کی :
- \* اکبرالہ آبادی \* علامہ اقبال \* مرزا غالب
3. شاعری کے علاوہ مرزا غالب کی شہرت کی دوسری وجہ ہے :
- \* خطوط نگاری \* شراب نوشی \* افسانہ نگاری
4. مراسلے کو مکالہ بنانے والے مخطوط نگار کا نام ہے :
- \* غالب \* اقبال \* اکبرالہ آبادی
5. "اردو تے معلی" اور "عودہ بندی" ان کے خطوط کا مجموعہ ہے :
- \* آزاد \* اقبال \* غالب

6. نصاب میں شامل خط غالب نے ان کے نام تحریر کیا:

\* یوسف مرزا

\* میر مهدی مجروح

7. میر مهدی مجروح غالب کے کون تھے؟

\* بھائی

\* شاگرد

\* دوست

8. نصاب میں شامل خط علامہ اقبال نے ان کے نام لکھا:

\* یوسف مرزا

\* میر سرفراز

\* محمد نیاز الدین

9. اقبال نے اپنے خط میں اپنی اس تصنیف کا ذکر کیا:

\* ارمغانِ حجاز

\* رموزِ بے خودی

\* اسرار بے خودی

10. مشقتوں خواجہ کا اصل نام ہے:

\* خواجہ خورشید

\* عبد الحمید

\* عبد الجید

11. نصاب میں موجود خطوط میں سے صدیق جاوید کے نام خط انہوں نے لکھا:

\* غالب

\* اقبال

\* مشقتوں خواجہ

12. مشقتوں خواجہ اس ادارے سے منسلک رہے:

\* اقبال اکادمی

\* انجمن ترقی اردو

13. اپنے خط میں مشقتوں خواجہ نے اس قبیلے کا ذکر کیا ہے:

\* جھنڈی

\* گبول

\* مگسی

## حصہ نظم

حمد

1. جس نظم میں اللہ کی تعریف کی جاتے اسے کہا جاتا ہے:

\* غزل

\* نعت

\* حمد

2. نصاب میں شامل حمد کے شاعر ہیں:

\* ماہر القادری

\* حفیظ جاندھری

\* ظفر علی خان

نعت

1. جس نظم میں محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف کی جاتے اسے کہا جاتا ہے:

\* غزل

\* نعت

\* حمد

2. نصاب میں شامل نعت کے شاعر ہیں :

- \* نظیر اکبر آبادی
- \* حفیظ جالندھری
- \* اقبال عظیم

### رہے نام اللہ کا

1. نظم "رہے نام اللہ کا" ان کا شاہکار ہے :

- \* نظیر اکبر آبادی
- \* میر تقی میر

2. اردو کا پہلا عوامی یا جسموری شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے :

- \* اسد اللہ غالب
- \* میر درد
- \* نظیر اکبر آبادی

3. "ہنس نامہ، مغلسی، بخار نامہ، آدمی نامہ" کے شاعر ہیں :

- \* اسد اللہ غالب
- \* نظیر اکبر آبادی
- \* میر تقی میر

4. اردو کا وہ کون سا شاعر ہے جس نے غزل کے دور میں نظم کی اہمیت و افادیت ثابت کی؟

- \* نظیر اکبر آبادی
- \* اسد اللہ غالب
- \* میر درد

5. اردو زبان کا بخارہ شاعر انھیں کہا جاتا ہے :

- \* نظیر اکبر آبادی
- \* میر درد
- \* میر تقی میر

6. نظیر اکبر آبادی کا اصل نام ہے :

- \* داؤد محمد خان
- \* شیر محمد خان
- \* شیخ ولی محمد

7. نظم "رہے نام اللہ کا" اس بیت کی نظم ہے :

- \* مسدد
- \* محسن
- \* رباعی

### داستان تیاری میں باغ کی

1. نظم "داستان تیاری میں باغ کی" ان کا شاہکار ہے :

- \* میر حسن
- \* میر درد
- \* میر تقی میر

2. نظم "داستان تیاری میں باغ کی" اس بیت کی نظم ہے :

- \* رباعی
- \* شنوی
- \* مرثیہ

3. نظم "داستان تیاری میں باغ کی" ماخوذ ہے :

- \* رموز العارفین
- \* گلگنزار ارم
- \* سحر البيان

4. میر حسن کی وجہ شہرت ان کا یہ شاہکار بنا :  
\* رموز العارفین                          \* مگر زار ارم  
\* سحر البيان
5. میر حسن اس مشور شاعر کے دادا تھے :  
\* جوش ملیح آبادی                          \* میر انیس  
\* حسرت موهانی

## یارب! چمن نظم کو گل زار ارم کر

1. نظم "یارب! چمن نظم کو گل زار ارم کر" کے شاعر ہیں :  
\* اسد اللہ غالب                          \* میر درد  
\* میر انیس
2. میر انیس کا اصل نام تھا :  
\* میر ببر علی                          \* محمد میر  
\* محمد انیس
3. اردو مرثیہ نگاری کا سب سے سب سے بڑا شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے :  
\* میر تقی میر                          \* میر درد  
\* میر انیس
4. میر انیس کا تعلق ہندوستان کے اس شہر سے تھا :  
\* لکھنؤ                          \* دہلی  
\* الہ آباد
5. نظم "یارب! چمن نظم کو گل زار ارم کر" ہمیت کے اعتبار سے کیا ہے ؟  
\* رباعی                          \* مسدس  
\* مخمس
6. نظم "یارب! چمن نظم کو گل زار ارم کر" کس نوعیت کی نظم ہے ؟  
\* غزل                          \* نعت  
\* مرثیہ

## چپ کی داد

1. نظم "چپ کی داد" کے شاعر ہیں :  
\* سرسید احمد خان                          \* الطاف حسین حالی  
\* محمد حسین آزاد
2. اردو میں قومی شاعری کی ابتداء انخوں نے کی :  
\* الطاف حسین حالی                          \* میر درد  
\* میر تقی میر
3. اردو کا پہلا قومی شاعر انھیں کہا جاتا ہے :  
\* اسد اللہ غالب                          \* الطاف حسین حالی  
\* میر تقی میر

مرد مسلمان

- حاءِ ث بِ ا سَمْ**

1. نظم "مرد مسلمان" کے شاعر ہیں :

\* اسد اللہ غالب      \* میر درد      \* علامہ اقبال

2. نظم "مرد مسلمان" اقبال کے اس مجموعے سے مأخوذه ہے :

\* بانگ درا      \* ضرب کلیم      \* بال جبریل

3. شاعر مشرق انھیں کہا جاتا ہے :

\* میر تقی میر      \* میر درد      \* علامہ اقبال

4. حکیم الامت ان کا لقب ہے :

\* میر تقی میر      \* علامہ اقبال

5. اقبال نے ڈاکٹر یٹ کی ڈگری اس مضمون میں حاصل کی :

\* فلسفہ      \* اردو ادب

6. اقبال نے اردو کے علاوہ اس زبان میں بھی شاعری کی کی :

\* فارسی      \* انگریزی ادب

7. علامہ اقبال کا پہلا مجموعہ کلام ہے :

\* ارمغان حجاز      \* جاوید نامہ      \* اسرارِ خودی

8. علامہ اقبال یہاں پیدا ہوئے:

\* لاہور

\* سیالکوٹ

\* فیصل آباد

## نوائے سروش

1. نظم "نوائے سروش" کے شاعر ہیں:

\* سر سید احمد خان

\* محمد حسین آزاد

\* احسان دانش

2. انہیں شاعرِ مزدور کہا جاتا ہے:

\* احسان دانش

\* میر تقی میر

3. نظم جشن بیچارگی میں کس کی شادی کا نقشہ کھینچا گیا ہے؟

\* امیر سیدھ

\* غریب مزدور

\* بادشاہ

4. احسان دانش نے اپنی سوانح عمری اس نام سے مرتب کی:

\* بیگانہ روزگار

\* چھنائے کرنا مایہ

\* جہان دانش

## رباعیات

1. چار مصریوں کی منحصر نظم کا کہا جاتا ہے:

\* مشوی

\* رباعی

\* غزل

2. رباعی گو شاعر انھیں کہا جاتا ہے:

\* امجد حیدر آبادی

\* احمد فراز

\* میر انیس

3. حکیم الشعرا انھیں کہا جاتا ہے:

\* امجد حیدر آبادی

\* احمد فراز

\* میر انیس

4. جوش ملیح آبادی کا اصل نام ہے:

\* داؤد محمد خان

\* شیر محمد خان

\* شبیر حسن خان

5. شاعر انقلاب انہیں کہا جاتا ہے:

\* اسد اللہ غالب

\* میر درد

\* جوش ملیح آبادی

6. شاعر شباب ان کا لقب ہے:

\* جوش ملیح آبادی

\* میر درد

\* میر تقی میر

7. "شعلہ و شبئم، حرف و حکایت، عرش و فرش" اس شاعر کے مجموعہ ہائے کلام ہیں:

\* میر تقی میر      \* جوش ملیح آبادی      \* اسد اللہ غالب

8. ”یادوں کی بارات“ ان کی آپ بیتی ہے:

\*جوش میچ آبادی \*میر درد \*اسد اللہ غالب

قطعات

1. اک مضمون کے چند اشعار کے مجموعے کو کہا جاتا ہے :

\* غزل \* قطعه \* شنوی \*

2. علامہ اقبال کا قطعہ ان کے اس مجموعے سے مخوذ ہے:

\*ضربِ کلیم \*بانگِ درا \*بال جبریل

3. ریس امر و ہوی اردو کے اس مشور شاعر کے بھائی تھے:

\* جمیل الدین عالی \* جون ایلیاء \* جیب جالب

سائبانڈ فیکٹری

1. نظم "سائیدا فیلکٹس" اس نوعیت کی نظم ہے:

\* عشقه \* مزاجیه \* المیہ

2. نظم "سائیدا فیکٹس" کے شاعر میں :

\* انور مقصود \* انصار جعفری

3. نظم "سائڈا فیکٹس" انور مسعود کے اس مجموعے سے مانوذہ ہے:

\*شاخ تبسم \*میلی میلی دھوپ \*اک دریچہ ایک چراغ

چاند مہری زمیں

1. نظم "جاند میری زم" اس پیٹ کی نظم ہے:

# \***رمضان**

2. نظم "حاند مسری زم" کے شاعر ہیں:

\* ساقی حاوید \* انور مقصود \* ضمیر جعفری

3. ساقی جاوید کا اصل نام تھا :

\* سید شوکت علی

\* احمد شاہ

4. نظم "چاند میری زمیں" اس نوعیت کی نظم ہے :

\* محمدیہ

\* قومی

\* مزاحیہ

### استغاثہ

1. نظم "استغاثہ" کے شاعر ہیں :

\* ضمیر جعفری

\* انور مقصود

\* افخار عارف

\* مہر دو نیم

\* جہان معلوم

2. نظم "استغاثہ" مأخوذه ہے :

\* قومی

\* آزاد نظم

\* بارہواں کھلاڑی

3. نظم "استغاثہ" اس نوعیت کی نظم ہے :

\* مزاحیہ

### مشورہ

1. نظم "مشورہ" کی شاعرہ ہیں :

\* ادا جعفری

\* ذکیہ غزل

\* پروین شاکر

\* خوبشو

\* خود کلامی

2. نظم "مشورہ" مأخوذه ہے :

\* قومی

\* آزاد نظم

\* مزاحیہ

3. نظم "مشورہ" اس نوعیت کی نظم ہے :

\* ماوتام

\* خود کلامی

\* خوبشو

4. پروین شاکر کی کلیات کا نام ہے :

5. تصوف کو سب سے پہلے اردو شاعری میں لانے والے شاعر ہیں :

\* اسد اللہ غالب

\* میر درد

\* میر تقی میر

6. اردو غزل کا پہلا "صوفی شاعر" انھیں کہا جاتا ہے:

\* میر درد

\* علامہ اقبال

7. خواجہ میر درد کا تعلق ہندوستان کے اس شہر سے تھا:

\* حیدر آباد

\* لکھنؤ

\* دہلی

8. اردو شاعری میں تصوف کا امام انھیں کہا جاتا ہے:

\* اسد اللہ غالب

\* میر درد

\* میر تقی میر

9. میر درد کے والد کا نام تھا:

\* ناصر عبداللہ

\* حسرت موبانی

\* رفیع سودا

## میر تقی میر

1. اردو شعراء میں سے انھیں خدا نے سخن کہا جاتا ہے:

\* اسد اللہ غالب

\* میر درد

\* میر تقی میر

2. سرتاج الشعرا ان کا لقب ہے:

\* اسد اللہ غالب

\* میر تقی میر

\* میر درد

3. کس شاعر کے بہتر اشعار کو بہتر نشر سے تعبیر کیا جاتا ہے؟

\* میر تقی میر

\* میر درد

\* فیض احمد فیض

4. شہنشاہ غزل انھیں کہا جاتا ہے:

\* اسد اللہ غالب

\* میر درد

\* میر تقی میر

\* میر درد

5. شاعر غم کے لقب سے انھیں یاد کیا جاتا ہے:

\* اسد اللہ غالب

\* میر تقی میر

\* میر درد

6. میر تقی میر کا اصل نام تھا:

\* میر محمد تقی

\* میر محمد علی

\* میر محمد مددی

## خواجہ حیدر علی آتش

1. کس شاعر کے کلام میں محاورہ کا لطف سب سے زیادہ ہے؟

\* اسد اللہ غالب

\* میر درد

\* آتش

2. خواجہ حیدر علی آتش کا تعلق شاعری کے اس دبستان سے تھا:

\* لاہور

\* لکھنؤ

\* دہلی

3. خواجہ حیدر علی آتش اس مشور شاعر کے شاگرد تھے:

\* ملاوجی

\* مصححی

\* ولی دکنی

## مرزا اسد اللہ خان غالب

1. شاعری میں جدت طرازی اور فلسفہ کو انھوں نے اجاگر کیا:

\* اسد اللہ غالب

\* میر تقي مير

\* میر درد

\* حالی

\* میر درد

\* اسد اللہ غالب

2. حیوان ظریف انھیں کہا جاتا ہے:

\* حالی

\* میر درد

\* ظریف

\* میر درد

\* علامہ اقبال

\* اسد

\* اسد اللہ غالب

\* میر درد

\* میر درد

\* میر درد

\* اسد اللہ غالب

\* میر تقي مير

\* علامہ اقبال

\* اسد اللہ غالب

\* میر درد

\* اسد اللہ غالب

\* میر درد

\* شراب نوشی

\* خود پسندی

\* خطوط نگاری

\* میر درد

\* میر درد

5. نجم الدولہ اور بیر الملک ان کے خطابات ہیں:

6. ان کے دیوان کو "ہندوستان کی الہامی کتاب" کہا جاتا ہے:

7. پہلا فلسفی شاعر انھیں کہا جاتا ہے:

8. بذله سخ شاعر انھیں کہا جاتا ہے:

9. شاعری کے علاوہ غالب کی شہرت کی دوسری وجہ یہ ہے:

## داغ دہلوی

1. داغ دہلوی کا اصل نام ہے :

* نواب ظفر علی	* نواب علی خان
----------------	----------------

\* نواب مرزا خان

2. نواب ناظم جنگ بہادر اور فتح الملک ان کے خطابات ہیں :

* داغ دہلوی	* اسد اللہ غالب
-------------	-----------------

\* میر درد

3. داغ دہلوی اس مشہور شاعر کے شاگرد تھے :

* شیخ ابراہیم ذوق	* میر تقی میر
-------------------	---------------

\* میر درد

4. علامہ اقبال، جگر مراد آبادی، سیما ب اکبر آبادی اور احسن مارہروی ان کے شاگرد ہیں :

* علامہ اقبال	* داغ دہلوی
---------------	-------------

\* اسد اللہ غالب

5. داغ دہلوی کے سوتیلے باپ تھے :

* مرزا فخر	* مرزا سلیم
------------	-------------

## مولانا حسرت موهانی

1. حسرت موهانی کا اصل نام تھا :

* محمد حسرت	* سید فضل الحسن
-------------	-----------------

\* میر حسرت

2. مسیحائے غزل / غزل کا مسیحانہ کہا جاتا ہے :

* اسد اللہ غالب	* حسرت موهانی
-----------------	---------------

\* میر درد

3. رئیس المتعزیین ان کا لقب ہے :

* حسرت موهانی	* میر تقی میر
---------------	---------------

\* میر درد

4. آبروئے غزل انہیں کہا جاتا ہے :

* اسد اللہ غالب	* حسرت موهانی
-----------------	---------------

\* میر درد

5. تحریک آزادی کے دوران کس اردو شاعر نے قید بامشقت کی سزا کاٹی؟

* علامہ اقبال	* حسرت موهانی
---------------	---------------

\* میر درد

6. سید الاحرار ان کا لقب ہے :

* حسرت موهانی	* میر تقی میر
---------------	---------------

\* میر درد

7. اردو غزل کے احیاء کی شاعری ان کے کلام کو کہا جاتا ہے :

\* اسد اللہ غالب

\* حسرت موبانی

\* میر تقی میر

## پیام لطیف

1. نظم "پیام لطیف" کے شاعر ہیں :

\* آفاق صدیقی

\* شاہ عبداللطیف

\* شیخ ایاز

2. پیام لطیف، اس شاعر کے کلام کا اردو ترجمہ ہے :

\* آفاق صدیقی

\* شاہ عبداللطیف

\* شیخ ایاز

## مترقبات

1. اردو اس زبان کا لفظ ہے :

\* ترکی

\* ہندی

\* فارسی

2. اردو کے لفظی معنی ہیں :

\* سپاہی

\* ہتھیار

\* لشکر

3. اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں :

\* قلی قطب شاہ

\* میر تقی میر

\* اسد اللہ غالب

4. اردو کے پہلے غزل گو شاعر ہیں :

\* میر تقی میر

\* امیر خسرو

5. اردو کے پہلے قومی شاعر ہیں :

\* امیر خسرو

\* میر تقی میر

6. اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں :

\* امیر خسرو

\* اسد اللہ غالب

7. بابائے اردو انھیں کہا جاتا ہے :

\* سر سید احمد خان

\* علامہ اقبال

\* مولوی عبدالحق

8. اردو زبان کا سب سے پہلا قصہ ہے :

\* نیاقانون

\* الف لیلی

\* سب رس

* انار گلی	* اندر سجا	* سب رس
* تحقیقی	* تاریخی	* مزاحیہ
* غزل کا مسیحہ	* لسان العصر	* ابوالکلام
* آخرت شیرافی	* امیر خسرو	* شاعر رومان انھیں کہا جاتا ہے :
* رفع سودا	* حفیظ جالندھری	* میر تقی میر
* فیض	* علامہ اقبال	* شاہنامہ اسلام ان کا شاہکار ہے :
* امتیاز علی تاج	* آغا حشر کشمیری	* حفیظ جالندھری
* دکن	* لکھنؤ	* اس ڈرامہ نگار کو اردو کا شیکسپیر کہا جاتا ہے :
* پچھے	* مخدوس	* سعادت حسن نٹو
* شبیہ	* استعارہ	* اردو نثر کی ابتداء اس شہر سے ہوتی ہے :
* حسن مطلع	* مطلع	* دہلی
* حسن مطلع	* مطلع	* جس نظم کا ایک بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہو، اسے کہا جاتا ہے :
* تسلیح	* مقطوع	* مسدس
* مقطوع	* مقطوع	* مسدس
* حسن مطلع	* مطلع	* غزل کے پہلے شعر کو کہا جاتا ہے :
* حسن مطلع	* مطلع	* غزل کے آخری شعر کو کہا جاتا ہے :

22. غزل میں کس چیز کا ہونا ضروری ہے؟

\* مطلع \* مقطوع

23. غزل میں ایک مطلع کے بعد دوسرا مطلع آئے تو اسے کہا جاتا ہے:

\* حسن مطلع \* مطلع \* مقطوع

24. ایک چیز کو دوسری چیز کے جیسا قرار دینے کا عمل کہلاتا ہے:

\* حسن مطلع \* مطلع \* تشبیہ

25. وہ نظم جس کے ہر شعر کے دونوں مصريعے ہم قافیہ ہوں، اسے کہا جاتا ہے:

\* قصیدہ \* شنوی \* مسلسل نظم

26. استعارہ کے لفظی معنی ہیں:

\* کاٹنا \* ادھار لینا \* اشارہ کرنا

27. شعر میں کسی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا کہلاتا ہے:

\* مبالغہ \* استعارہ

28. کسی چیز کی اصل وجہ کو چھوڑ کر، کوئی شاعرانہ وجہ بیان کرنا کہلاتا ہے:

\* تمجیح \* حسن تعلیل \* تضاد

\* ..... \*

# حارت باسم

**M. HARIS BASIM**

University Lecturer | Research Scholar  
Islamic Financial Consultant

 [www.harisbasim.weebly.com](http://www.harisbasim.weebly.com)  0313-2577255

 /HarisBasimHB  /HarisBasimHB  /HarisBasimHB  /HarisBasimHB



## طریقہ جواب سوال نمبر ۲

**سوال نمبر ۳:** سال اول اور سال دوم میں دو اشعار کی تشریح کے ۰۔۱ نمبر ہیں۔ اس لحاظ سے ایک شعر کی تشریح کے ۵ نمبر ہیں۔

◎ حوالہ شاعر انبر

◎ تشریح نمبر ۲

حوالہ شاعر میں شاعر کا درست نام تحریر کر دینا ہی کافی ہے۔ البتہ تشریح کے ذیل میں شعر کا بنیادی خیال اور فنی محسن کی نشان دہی کے ساتھ ممکنہ تاریخی معاشرتی پس منظر موزوں الفاظ میں سلیقے سے تحریر کیا گیا ہو۔ تشریح کے ذیل میں اگر ہو سکے تو مناسب مثال شعر لکھا جائے۔ ہر شعر کی تشریح میں لازمی طور پر بھرتی کے مثال شعر شامل کرنے سے گریز کیا جائے۔

### جوابی خاکہ

حوالہ شاعر:

مرکزی خیال:

فنی محسن:

مشکل الفاظ:

تشریح:

مثال شعر:



## حمدباری تعالیٰ

**تعارفِ شاعر:**

ماہر القادری اپنے دور کے مشور شاعر، زبردست انشاء پرداز، تبصرہ نگار اور عالم دین تھے۔ بہت ہی کم عمر میں پورے ہندوستان میں شہرت حاصل کر لی۔ ۱۹۰۶ء میں یوپی کے ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ پورا نام منظور حسین صدیقی تھا۔ والد کا نام معموق علی مظفر تھا جو بڑے خوش فکر شاعر تھے اور ”ظریف“ تخلص کرتے تھے۔ زیادہ تر وقت مدرسہ قادریہ میں گزرتا تھا اسی نسبت سے مولانا نے نام کے ساتھ قادری لگایا۔

**اہم تصانیف:** کاروانِ حجاز، یادِ رفتگان، نغماتِ ماہر، طسمِ حیات، فردوس، محسوساتِ ماہر، ذکرِ جمیل

**شعر نمبر ۱:**

فکر و دانش کی ہے معراج، خدا کا اقرار  
یہی وجدان کی آواز ہے فطرت کی پکار

**حوالہ شاعر:**

پیش نظر شعرِ حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر ماہر القادری ہیں۔

**مشکل الفاظ:**

دانش: عقل

**فنی خوبی:**

مطلع، [پہلا شعر]

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ گو انسان کی سوچ اور عقل محدود ہے، فطرت کا انکار ناممکن ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خدا کو تسلیم کرنا ہی انسانی عقل کی کامیابی و سرفرازی ہے۔ جب انسان کی فکر کمال بلندی پر پہنچتی ہے اور عقل سلیم کے درجے پر فائز ہوتی ہے تو وہ بخوبی یہ جان لیتا ہے کہ خدا کا انکار ممکن نہیں۔ یہ وہ مسلم حقیقت ہے جس کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں۔

شعر نمبر ۲:

اس خلاق نے جوہر کو تو انائی دی

پھول پتوں کو عطا جس نے کیے نقش و نگار

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر ماہر القادری ہیں۔

مشکل الفاظ:

خلاق: پیدا کرنے والا

جوہر: ہیرا/ وہ چیز جو بذات خود قائم ہو

تشريع:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر شے اسی خالق دو جہاں کی بنائی ہوئی ہے۔ چاہے وہ پھول پتے ہوں یا ہیرے جواہرات۔ جس ذات نے جواہر کو تو انائی اور خوبصورتی دی اس نے پھول پتوں میں رنگارنگ نقش و نگار بنائے۔ مختلف رنگوں کے پھول پیدا کیے۔ مختلف مادی جوہر پیدا کیے اور انہیں تنوع مصارف میں صرف کیا۔

شعر نمبر ۳:

اس کی صنعت کے نمونے ہیں وہ نکتہ ہو کہ رنگ اس کی قدرت کے کرشمے ہیں خزاں ہو کہ بہار

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر ماہر القادری ہیں۔

مشکل الفاظ:

صنعت: کاریگری

نکتہ: مہک کرشمہ: جادو

فنی خوبی:

صفتِ تضاد، [خزاں اور بہار]

تشريع:

اس شعر میں شاعر خدائے عظیم و برتر کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دنیا کو حسن و جمال بخششنا والی تمام اشیاء اسی نے خلق فرمائی ہیں چاہے وہ سوندھی سوندھی خوشبو ہو یا نگاہوں کو فریب دینے والے خوارنگ ہوں۔ اسی نے بہار جیسے حسین موسم کو تخلیق کیا اور اسی نے خزاں کا موسم بنایا جو اس دنیا کے جانداروں کو بہار کی قدر و قیمت سے آشنا کرتا ہے۔

شعر نمبر ۴:

اسی مالک، اسی خالق کی ہے سب حمد و ثناء

آب شاروں کا ترنم ہو کہ گلبانگ ہزار

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر ماہر القادری ہیں۔

مشکل الفاظ:

گلبانگ: آواز / صدا  
ہزار: بلبل

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ بے شک وہ ہی حمد و ثناء کے لائق ہے۔ صرف انسان ہی نہیں اس دنیا کی ہر چیز اس کی حمد و ثناء کر رہی ہے۔ پرندے چھپاتے ہیں تو اس کی ثناء خوانی کرتے ہیں۔ ہوائیں سر سراتی ہیں تو اس کی حمد بیان کرتی ہیں۔ پانی کی آبشار بھتی ہے تو اس کی تعریفوں کے زمزمه چھیڑتی ہے۔

شعر نمبر ۵:

یہ کڑکتی ہوئی بجلی، یہ گرجتے ہوئے بادل  
یہ سمندر کی تمیں اور یہ پھاڑوں کا ابھار

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر ماہر القادری ہیں۔

تشریح:

شاعر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ برسات کے موسم کا دلکش و دلفریب منظر اس کی قدرت کے کر شموں میں سے ایک ہے۔ کڑکتی ہوئی بجلی اور گرجتے ہوئے بادل انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا یقین دلاتے ہیں۔ اسی طرح سمندر کی اتجah گھرا تیاں جو ان گنت مخلوقات اور ہمیرے جواہرات سے معمور ہے انسان کو ورطہء حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ یہیں پر بس نہیں، فلک بوس پھاڑ جو اپنے عظیم الشان دیوبھیکل جسمتیں لیے ہوئے ہیں، اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ان کا بنانے والا کس قدر اعلیٰ و اعظم ہے۔

شعر نمبر ۶:

کہیں گرمی، کبھی سردی، کہیں سایہ، کہیں دھوپ کہیں جنگل، کہیں گلشن، کہیں ٹیلے، کہیں غار

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر ماہر القادری ہیں۔

مشکل الفاظ:

گلشن: باغ  
ٹیلے: پھاڑی

فنی خوبی:

صنعتِ تضاد، [سردی، گرمی/سایہ، دھوپ]

### تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ اس نے مختلف طرح کے موسم پیدا کیے۔ ہر طرح کا موسم اپنی جگہ ایک اہمیت لیے ہوئے ہے۔ گرمی کے اپنے فوائد ہیں تو سردی کے اپنے۔ کہیں دھوپ ضروری ہے کہیں سایہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح زمین کو مختلف اجناس میں بانٹ دیا ہے کہیں جنگل ہے کہیں پھولوں سے مسکتے باغ، کسی حصے میں پھاڑی ٹلیے ہیں تو کہیں غار۔ یہ سب اپنی جگہ الگ چیزیں رکھتے ہیں اور تنوع فوائد و ثمرات کے حامل ہیں۔

### شعر نمبر ۷:

یہ سب آیاتِ الٰہی ہیں ذرا غور سے دیکھ  
اس کی پھر حمد بیاں کر، اسی خالق کو پکار

### حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حمد سے لیا گیا ہے۔ حمد کے شاعر ماہر القادری ہیں۔

### مشکل الفاظ:

آیاتِ الٰہی : اللہ کی نشانیاں

### تشریح:

آخر میں شاعر پوری حمد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بنائی ہوئی یہ طرح طرح کی نعمتیں انسان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ ان میں غور و فخر کرے۔ انسان کائنات میں جتنا غور کرتا جائے گا اللہ کی قدرت و عظمت پر اس کا یقین پختہ تر ہوتا چلا جائے گا۔ اللہ پاک نے بارہا انسان کو کائنات میں غور و فخر کی دعوت دی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے :

”مَنْ كَوَكَهُ : ذَرَازِيْمِ مِنْ چَلْ پَھَرَ كَرْد يَكْحُو كَهُ اللَّهُ نَے كَسْ طَرَحْ مَخْلُوقَ كَوْ شَرُوعَ مِنْ پَیدَا کِيَا ، پَھَرَ اللَّهُ ہِيَ آخِرَتْ وَالِّي مَخْلُوقَ كَوْ بَھِي اَلْهَا كَھْرَا كَرَے گا۔ يَقِيْنًا اللَّهُ هَرْ چِيزَ پَرْ قَادِرَ ہے۔“ (سورۃ العنكبوت: ۲۰)

## نعتِ رسول مقبول ﷺ

### تعارفِ شاعر:

اقبال عظیم ان چند شعراء میں سے ایک ہیں جن کو نبی کریم ﷺ کی محبت نے فن کے عروج پر پہنچایا۔ اگر انہیں موجودہ دور کا سب سے بڑا نعت گو شاعر کہا جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ پورا نام سید اقبال احمد، قلمی نام اقبال عظیم تھا۔ آپ کے والد سید مقبول عظیم عرش ہیں۔ جولائی ۱۹۱۳ء میں یہ شاعر اور ادیب میر ٹھہ بھارت میں پیدا ہوئے۔

لکھنؤ یونیورسٹی سے بنی اے اور آگرہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ ہندی اور بنگلہ کے اعلیٰ امتحانات پاس کیے۔ ساڑھے گیارہ سال یوپی کے سرکاری مدارس میں معلیٰ کی۔ جولائی ۱۹۵۰ء میں مشرقی پاکستان آئے اور تقریباً بیس سال سرکاری ڈگری کا بجou میں پروفیسر اور صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے کام کیا۔ اپریل ۱۹۸۰ء میں بنیانی زائل ہونے کے سبب اپنے اعزہ کے پاس کراچی آگئے۔ اقبال عظیم کی ۲۲ ستمبر ۲۰۰۰ء کو کراچی میں ہوئی۔

### اہم تصانیف:

مضراب (غزلوں کے مجموعہ)	لب کشا ()	قابل قوسین (نعتوں کا مجموعہ)
مشرقی بنگال میں اردو (نشریٰ تصنیف)	بوئے گل (شاعری)	زبور حرم (کلیات نعت)
چراغ آخري شب (غزلوں کا مجموعہ)	سات ستارے (سوانح)	مضراب ورباب (شاعری)

### شعر نمبر ۱:

سارے نبیوں کے عمدے بڑے ہیں لیکن آقا کا منصب جدا ہے  
وہ امام صفتِ انبیاء ہیں، ان کا رتبہ بڑوں سے بڑا ہے

### حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر نعت سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر اقبال عظیم ہیں۔

### فني خوبی:

مطلع، [پہلا شعر]

### تشریح:

اس نعتیہ شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ یوں تو تمام انبیاء کے کرام کے درجات بہت بلند ہیں لیکن آپ ﷺ کا رتبہ تمام انبیاء سے برتر ہے۔ آپ نبیوں کے نبی ہیں۔ اس کا فصلہ معراج کی رات خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء کا امام بنایا کر کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں۔ آپ کے اسی عالیشان مرتبے کو شاعر نے امام صفتِ انبیاء کہہ کر بیان کیا۔

### شعر نمبر ۲:

کوئی لفظوں سے کیسے بتادے، ان کے رتبے کی حد ہے تو کیا ہے  
ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے، صرف اللہ ان سے بڑا ہے

### حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر نعت سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر اقبال عظیم ہیں۔

### تشریح:

اس نعتیہ شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا حقیقی مقام کیا ہے یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ آپ کی

تعریف لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ معراج کے موقع پر حضرت جبریلؐ نے بھی سدرۃ المنقیٰ پر پہنچ کر آگے جانے سے خود کو معدور ظاہر کیا تھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس سے آگے یا تو آپ جاسکتے ہیں یا آپ کا خدا۔ شاعر کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے بڑوں نے بچپن سے یہ سمجھایا ہے کہ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک ہی آپ ﷺ سے بڑی ہے۔ خدا کے بعد اگر کوئی ذات ہے تو وہ آپ ﷺ کی ہے۔

ع : بعد از خدا بزرگ تونی، قصہ مختصر

### شعر نمبر ۳:

وہ جو اک شہر نورالحمدی ہے، جلوہ گاہوں کا اک سلسلہ ہے  
جس کی ہر صبح شمسِ الضھی ہے، جس کی ہر شام بدرالدھمی ہے

حوالہ شاعر :

پیش نظر شعر نعت سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر اقبال عظیم ہیں۔

مشکل الفاظ :

بدرالدھمی : چودھویں کا چاند

شمسِ الضھی : خوش نما سورج

نورالحمدی : ہدایت کا نور

فہی خوبی :

تشبیہ، [صبح کو سورج سے اور شام کو چاند سے تشبیہ دی کی ہے]

تشریح :

اس نقییہ شعر میں شاعر بنی کریم ﷺ کے شہر مدینہ المنورہ کی تعریف کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا شہر نور ہدایت ہے۔ ایک ایسی جگہ ہے جہاں بدکار سے بدکار انسان بھی ہدایت کی روشنی محسوس کرتا ہے۔ وہاں کی ہر صبح شمسِ الضھی یعنی سورج کی طرح چمک دار اور وہاں کی ہر شام چودھویں کی چاندنی رات کی طرح خوبصورت ہے۔ جہاں قدم پر حسن کے جلوے بکھرے پڑے ہیں۔

شمسِ الضھی اور بدرالدھمی، آپ ﷺ کے دو لفاظ ہیں جو کہ آپ ﷺ کے چہرہ انور کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی نسبت سے شاعر نے یہ دونوں القابات آپ ﷺ کے شہر کے لیے استعمال کیے۔

### شعر نمبر ۴:

نام جنت کا تم نے سنا ہے، میں نے اس کا نظارہ کیا ہے  
میں یہاں سے تمیں کیا بتادوں، ان کی نگری کی گلیوں میں کیا ہے

حوالہ شاعر :

پیش نظر شعر نعت سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر اقبال عظیم ہیں۔

**فني خوني:**

تشبيه، [شهر مدینہ کو جنت سے تشبیہ دی گئی]

**تشریح:**

اس نعمتیہ شعر میں بھی شاعر نبی کریم ﷺ کے شهر کے تعریف کرتے ہوئے اسے جنت سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ تم نے جنت کا صرف نام سننا ہے، جنت دیکھنی نہیں ہے۔ جبکہ میں نے جنت نظر شہر مدینہ المنورہ کی زیارت کی ہے یعنی مدینہ کی زیارت دراصل جنت کی زیارت ہے۔ اب میں تمہیں کیا بتاؤں کہ آپ ﷺ کے شهر پر نور میں میں نے کیا کیا جلوے دیکھے، وہ اک ایسا احساس ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ الغرض کہ:

تری جالیوں کے نیچے، تیری رحمتوں کے ساتے  
جسے دیکھنی ہو جنت وہ مدینہ دیکھ آتے

**شعر نمبر ۵:**

لتنا پیارا ہے موسم وہاں کا، کتنی پُر کیفت ساری فضائے ہے  
تم مرے ساتھ خود چل کے دیکھو، گرد طیبہ بھی خاکِ شفاء ہے

**حوالہ شاعر:**

پیش نظر شعر نعت سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر اقبال عظیم ہیں۔

**مشکل الفاظ:**

پُر کیفت: سرور والی گرد: مٹی

**تشریح:**

اس نعمتیہ شعر میں شاعر نبی کریم ﷺ کے شهر کے موسم کی تعریف کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہاں کا موسم نہایت حسین و دلفریب ہے۔ وہاں کی فضائیں اک عجیب سماجت کا نشہ ہے جو شہر کی جمالی کیفیات کا احساس دلاتا ہے۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو وہ خود مرے ساتھ چل کے دیکھ لے کہ مدینہ منورہ کی خاک بھی خاکِ شفاء ہے یعنی ہر طرح کے روحانی مرض کا علاج مدینہ منورہ کی زیارت کر کے کیا جاسکتا ہے۔

**شعر نمبر ۶:**

مستقل ان کی چوکھٹ عطا ہو، میرے معبود یہ الجا ہے!  
کوئی پوچھے تو یہ کہ سکوں میں، باب جبریل میرا پتا ہے

**حوالہ شاعر:**

پیش نظر شعر نعت سے لیا گیا ہے۔ نعت کے شاعر اقبال عظیم ہیں۔

## تشریح:

اس شعر میں شاعر اللہ تعالیٰ سے التجاء کر رہے ہیں کہ خدا یا میرا زندگی بھر کا ٹھکانہ نبی ﷺ کی چوکھٹ کو بنادیجیے۔ میں یہیں جیوں ، یہیں مروں - کوئی مجھ سے میرا پتا پوچھے تو میں بڑے فخر سے بتاؤں کہ میں دنیا کے سب سے مبارک ہے یعنی باب جبریل میں رہتا ہوں - ”باب جبریل“ مسجد نبوی شریف کا باب لبقع اور باب بلال رضی اللہ عنہ کے درمیان والا دروازہ ہے - باب جبریل کو باب نبی بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہی وہ دروازہ ہے جس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لایا کرتے تھے - ایک خاص واقعہ کی وجہ سے اس دروازے کو ”باب جبریل“ بھی کہا جانے لگا ہے - غزوہ احزاب یعنی خندق کی جنگ سے فارغ ہو کر رسول مکرم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کاشانہ نبوت یعنی حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لائے اور اپنے ہتھیار اور جنگی باب اتار دیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے حجرے کی دیوار کی رتکنوں سے دیکھا کہ اللہ کے سب سے مقرب فرشتے سیدنا جبریل علیہ سلام ایک گھوڑے پر سوار انسانی شکل میں اس مقام پر اس انداز سے تشریف لائے کہ آپ جنگی باب میں ملبوس تھے اور آپ کا پورا باب اور جسم گرد آلو دھما اور آپ نے اس مقام پر جہاں آج ”باب جبریل“ موجود ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور فرمایا کہ اللہ کے پیارے رسول آپ نے تو اپنا جنگی باب اتار دیا ہے لیکن ہم فرشتے اب بھی جنگی باب میں ہیں اور ایسا کیجیے کہ آپ ہمارے ساتھ جنگ میں شامل ہو جائیے کیوں کہ ابھی بنو قربیہ قبلیے سے جنگ کرنا باقی ہے -

اس واقعہ کی وجہ سے یہ دروازہ ”باب جبریل“ کے نام سے جانے جانا لگا اور حضرت سیدہ عائشہ وہ ہستی تھیں جنہوں نے فرشتے سیدنا جبریل علیہ سلام کو انسانی شکل میں دیکھا اور وہ مکالمہ خود سنائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا -

## حارت خواجہ میر درد سوم

## تعارف شاعر:

خواجہ میر درد کو اردو غزل گوئی کا سب سے بڑا صوفی شاعر کہا جاتا ہے - آپ نے شاعری کے دامن میں تصوف کے پھول کھلائے اور غزل کی بنیاد عشقِ حقیقی پر رکھی - آپ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے چنانچہ ایک دیوان فارسی کا ہے اور ایک دیوان اردو کا - فارسی نثر میں آپ نے تصوف کے موضوع پر کئی کتابیں لکھیں جن میں ”اسرار الصلوٰۃ، نالہ درد، آہ سردار درد دل“ قابل ذکر ہیں - مرزا علی لطف آپ کے بارے میں لکھتے ہیں :

اگرچہ دیوان درد بہت مختصر ہے لیکن سراپا درد و اثر رکھتا ہے -

## غزل ا

شعر نمبر ۱:

مقدور ہمیں کب ترے و صفوں کے رقوم کا  
حقاب کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر خواجہ میر دردکی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

انسان اللہ تعالیٰ کی توصیف و تمجید سے قاصر ہے۔

فني خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

مشکل الفاظ:

لوح و قلم: قلم اور تنقیح، مراد تقدیر  
وصف: صفت / خوبی  
مقدور: طاقت ہونا

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنا صوفیانہ انداز اختیار کرتے ہوتے کہتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی تعریف و توصیف بیان کرنا ہمارے بس میں نہیں۔ آپ کی بزرگی اور برتری کا اور اک عقل انسانی کرہی نہیں سکتی۔ آپ کی قدرت کے رازوں کو آپ ہی جانتے ہیں۔ آپ لوح و قلم یعنی تقدیر کے مالک ہیں۔ انسان کی زندگی میں اور اس دنیا میں جو کچھ ہو چکا اور جو ہو گا اس کی حقیقی علم صرف آپ ہی کے پاس ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت عقل سے نہیں سمجھی جا سکتی اسے صرف دل میں بسا یا جا سکتا ہے۔

مثال شعر:

توصیف کا حق کیا ہوا امیری زبان سے  
میں ذرہ ناچیزوہ انوار کی دنیا

: ۲

جس مسندِ عزت پر کہ تو جلوہ نما ہے  
کیا تاب گز ہو دے تعقل کے قدم کا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر خواجہ میر دردکی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

خدا کے عرش اور عظیم مرتبے تک انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی۔

**مشکل الفاظ:**

**تعقل:** عقل میں آنا      **تاب:** طاقت / مجال      **مسند عزت:** عزت والا مقام

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر اپنا صوفیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی تعریف و توصیف بیان کرنا ہمارے بس میں نہیں۔ آپ کی قدرت کے رازوں کو آپ ہی جانتے ہیں۔ انسان کی زندگی میں اور اس دنیا میں جو کچھ ہو چکا اور جو ہو گا اس کی حقیقی علم صرف آپ ہی کے پاس ہے۔ دنیا کی تمام مخلوقات ہی اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتی ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی حمد و ثناء مکمل نہیں ہوتی۔ خود اللہ پاک نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

”اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں، (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں)  
تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گے۔“

**مثال شعر:**

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے  
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

**شعر نمبر ۳:**

لبستے ہیں ترے سارے میں سب شیخ و برہمن      آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

**حوالہ شاعر:**

پیش نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کواردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

مسلم وغیر مسلم، سب تیرے ہی تیرے ہی زیر سایہ پل رہے ہیں۔

**مشکل الفاظ:**

**دیر:** بُت خانہ / مندر      **برہمن:** ہندوؤں کا پیجاری      **حرم:** کعبہ

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر اپنا صوفیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ! تمام مذاہب عالم تیرے ہی مر ہوں منت ہیں۔ بُت خانے میں بھی تیرا ہی جلوہ ہے اور حرم میں بھی۔ شیخ یعنی اسلام کا علمبردار بھی تیرے ہی زیر سایہ گزر بسر کرتا ہے اور برہمن یعنی ہندوؤں کا پنڈت اور پیجاری بھی تیری ہی نظرِ کرم کا امیدوار ہے۔ ہر انسان اپنی روشنی کے مطابق

تیرا ہی پرستار ہے اور ہر عبادت خانے میں حقیقی معمود تیری ہی ذات پاک ہے۔ ہر سرتیرے ہی آگے جھک رہا ہے، خواہ طریقے الگ الگ ہوں مدعائے حقیقی ایک ہی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”اور جہاں تک تمہارے رب کی عطا کا تعلق ہے، ہم ان کو بھی اس سے نوازتے ہیں اور ان کو بھی، تمہارے رب کی عطا کسی کے لیے بند نہیں ہے“۔ سورۃ الاسراء : ۲۰

### مماٹل شعر :

مدرسہ یادیر تھا، کعبہ یہ بت خانہ تھا  
ہم سبھی مہمان تھے وال، بس تو ہی صاحب خانہ تھا

### شعر نمبر ۲:

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غصب کا  
اور دل میں بھروسہ ہے تو ہے تیرے کرم کا

### حوالہ شاعر :

پیش نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کوارڈو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

### فنی خوبی :

صفتِ تضاد، [غصب اور کرم]

### مرکزی خیال :

خدا یا! آپ قمار بھی ہیں اور غظار بھی۔

### مشکل الفاظ :

کرم : مہربانی      غصب : غصہ

### تشریح :

اس شعر میں شاعر اللہ تبارک و تعالیٰ کی دو مختلف صفات کا اقرار کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خدا یا! ہم جانتے ہیں کہ کسی کا غمیظ و غصب آپ سا نہیں۔ سرکش اور منکر کو آپ کے جس غصب کا سامنا کرنا پڑے گا اس کی نظیر نہیں۔ یہی سوچ کر آپ کی نافرمانی کرنے سے ہم بازر ہتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ رحیم و کریم ہیں۔ کسی کا رحم و کرم آپ کے کرم جیسا نہیں۔ یہ وہ پہلو ہے جو ہمیں اپنی غلطیوں کے باوجود پُر امید رکھتا ہے۔ گویا ہم بیم و رباء کی کیفیت کا شکار ہیں۔ مخشش کی امید بھی ہے اور محاسبہ کا ڈر بھی۔

### مماٹل شعر :

تیرے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت      اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

شعر نمبر ۵

مانندِ جا ب آنکھ تو اے درد کھلی تھی  
کھینچانہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کواردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

فني خوبی:

صفتِ تشیہ، [دنیا کو سمندر اور انسانی آنکھ کو پانی کے بلبلے سے تشیہ دی گئی]

مرکزی خیال:

دنیا کی بے ثباتی کا بیان

مشکل الفاظ:

جا ب: پانی کا بلبلہ

تشریح:

اس شعر میں شاعر تمثیلی انداز میں دنیا کی بے ثباتی بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہم آئے تو لیکن بس ایک لمحے کو، آنکھ کھلی اور ختم ہو گئے۔ انسان کی آنکھ کو پانی کے بلبلے سے تشیہ دی ہے۔ جا ب چونکہ ابھرا ہوا ہوتا ہے گول ہوتا ہے اس وجہ سے آنکھ کو اس سے تشیہ دے رہے ہیں۔ بلبلے کی جب تک آنکھ بن رہتی ہے وہ قائم رہتا ہے اور جیسے ہی آنکھ کھلتی ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔

اہل علم کے ہاں اس دنیا لے فانی سے جب انسان کی آنکھ بند ہوتی ہے تب حقیقت میں اس کی آنکھ کھلتی ہے کیونکہ تب ہی وہ عالم فانی سے عالم حقیقی کی طرف پہنچا ہے۔ موت اصل میں موت نہیں ہے بلکہ ایک خواب گراں سے آنکھ کھل جانا اور جاگ جانا ہے۔

مائیں شعر:

ہستی اپنی جا ب کی سی ہے  
یہ نماش سراب کی سی ہے

☆.....☆.....☆

## غزل ۲

شعر نمبر ۱:

ارض وسماء کماں تری وسعت کو پاسکے میراہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

قلب انسانی انوارِ خداوندی کا حامل ہے۔

فني خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

مشکل الفاظ:

سماء: آسمان      ارض: زمین      وسعت: کشادگی

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنا صوفیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی ذات کے انوارات کے لیے یہ دنیا بہت چھوٹی ہے۔ آپ ہر جگہ موجود ہیں پھر بھی دنیا کی کوئی چیز آپ کو اپنے اندر نہیں سما سکتی۔ یہ میرا دل ہی ہے جس میں آپ سما سکتے ہیں اس کے علاوہ زمین آسمان پوری کائنات اس قابل نہیں کہ اس میں آپ سما سکیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ اس شعر میں شاعر خدا اور بندے کے رشتے کو بیان کرنا چاہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا جو تعلق انسان کے ساتھ ہے وہ کسی اور مخلوق کے ساتھ نہیں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسان کی افضلیت اور اشرفیت بیان کی جا رہی ہے یعنی انسان اشرف المخلوقات ہے اور یہی وجہ ہے کہ صرف اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ خدا کو اور اس کی محبت کو اپنے دل میں سما سکے، کسی اور مخلوق کو یہ شرف حاصل نہیں۔ ایسا ہی ایک مضمون قرآن پاک کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

"اگر یہ قرآن ہم نے کسی پھاڑ پر اتارا ہوتا تو تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رعب سے جھکا جا رہا ہے، اور پھٹا پڑتا ہے۔"

(سورۃ الحشر)

شعر نمبر ۲

وحدت میں تیری حرفت دوئی کانہ آسکے آئینہ کیا مجالِ تجھے منہ دکھا سکے

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

خدا نے برتر و بالا جیسا کوئی نہیں۔

**مشکل الفاظ:**

دوفی: شرک      دوفی: اکیلا ہونا

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر اپنا صوفیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ آپ یختاہیں۔ آپ جیسا کوئی نہیں۔ آپ کی وحدت اور انفرادیت اتنی مسلم اور یقینی ہے کہ آپ جیسا کوئی دوسرا ہونا تو درکار، آپ کی یختانی پر کسی قسم کا شک و شائبه بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آئینہ دکھانا محاورہ ہے یعنی عیب و ہنر ظاہر کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات اتنی کامل اور عظیم ہے کہ کوئی اس میں عیب نہیں نکال سکتا۔ خود آئینہ بھی آپ کا سامنا نہیں کر کے آپ کو آپ کی شبیہ نہیں دکھاتا کیوں کہ یہ امر بھی آپ کی وحدانیت کے خلاف ہے۔ الغرض کہ آپ جیسا کوئی نہیں، آپ بے نظیر و بے مثال ہیں۔

”کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔“ (سورۃ الشوریٰ: 11)

**مثال شعر:**

تیرے جیسا کوئی ملا ہی نہیں      کیسے ملتا کہیں پڑھا ہی نہیں

**شعر نمبر ۳:**

قادد نہیں یہ کام ترا، اپنی راہ لے      اس کا پیام دل کے سوا کون لاسکے

**حوالہ شاعر:**

پیش نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کواردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

محبوب کا پیغام سوائے دل کے کوئی قاصد نہیں لاسکتا۔

**مشکل الفاظ:**

قادد: پیغام پہنچانے والا      پیام: پیغام

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ محبت دل کا معاملہ ہے۔ دل کی بات دل تک کوئی اور ذریعہ نہیں پہنچا سکتا۔ یہ وہ جذبہ ہے جو الفاظ و بیان میں نہیں کہا جاسکتا۔ عاشق و معموق کے دلوں کی کیفیات و احساسات الفاظ کے پیراٹے میں نہیں ڈھالے جاسکتے۔ شاعر قاصد سے مطابق ہو کر کہتا ہے کہ اے قاصد! ہمارے محبوب کا پیغام تم ہم تک نہیں پہنچا سکتے۔ اس

لیے کہ تم الفاظ تو ہم تک پہنچا دو گے مگر احساسات و جذبات کیسے پہنچاؤ گے۔ لہذا یہ تمہارا کام نہیں۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اس کے دل کا پیغام ہم تک ہمارا دل خود ہی پہنچا دے گا۔

### مثال شعر:

پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا      زبانِ غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

شعر نمبر ۲:

غافل! خدا کی یاد پر مست پھول زینہار      اپنے تینیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

فہی خوبی:

صفتِ تضاد، [یاد، بھول]

مرکزی خیال:

خدا کی بارگاہ میں قابلیت نہیں، قبولیت شرط ہے۔

مشکل الفاظ:

غافل: لاپرواہ      زینہار: ہرگز      اپنے تینیں: خود کو

تشریح:

اس شعر میں شاعر عابد وزاہد کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اپنی عبادتوں پر غرور نہ کرو۔ ہو سکتا ہے جو شخص بظاہر گناہ کار نظر آتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو۔ غافل کا اشارہ عابد وزاہد کی طرف ہے۔ خدا کی یاد بمعنی عبادت ہے۔ پھونا یعنی غرہ کرنا، گھمنڈ کرنا۔ شاعر صوفی منش عابد کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اپنی عبادت پر غرور و تنبہر ہرگز نہ کرو اور کسی کم عبادت گزار کو خود سے کم ترنہ سمجھو۔ کون اللہ کے کتنے قریب ہے یہ باطن کے معاملات ہیں، انسان کی ظاہری سوچ اس کو ہرگز نہیں پہچان سکتی۔ ظاہری عبادت اللہ تک نہیں پہنچا سکتی، خدا کو پانا ہے تو اپنی ہستی کو مٹانا ہو گا۔

مثال شعر:

تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو      دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

شعر نمبر ۵:

گو بحث کر کے بات بنائی تو کیا حصول      دل سے اٹھا غلاف اگر تو اٹھا سکے

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

اصل ایمان، ایمان بالغیب ہے۔

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر صوفیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصل ایمان تو وہ ہوتا ہے جو بن دیکھے لایا جائے۔ دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا کوئی کمال نہیں۔ بجائے اس کے کہ اللہ پاک کے وجود کے بارے میں دلائل تلاش کیے جائیں، اگر انسان حقیقت پسندانہ روشن اختیار کرتے ہوئے اپنے دل میں جھانک لے اور دل سے نفسانی خواہشات کا پردہ الٹھا دے تو اسے خدا کے وجود پر ایسا کامل یقین حاصل ہو گا جو کسی دلیل کا محتاج نہیں ہو گا۔

یہ دنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لیے اگر خدا کا وجود اور دوسری غیبی چیزوں آنکھوں سے نظر آ جاتیں اور پھر کوئی شخص ایمان لاتا تو کوئی امتحان نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو انسان کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا ہے، لیکن ان کے وجود کے بے شمار دلائل مہیا فرمادیے ہیں کہ جب کوئی شخص ذرا انصاف سے غور کرے گا تو ان باتوں پر ایمان لے آئے گا، اور امتحان میں کامیاب ہو گا۔ اور درحقیقت یہی اصل ایمان ہے۔

**مثال شعر:**

ڈھونڈتا پھرتا ہے تو دیر و حرم میں جس کو  
موند لے آنکھ تو دیدار بھی کر سکتا ہے  
☆.....☆.....☆

## میر تقی میر

**تعارفِ شاعر:**

اصل نام میر محمد تقی تھا۔ میر آن کا تخلص تھا۔ اردو شاعری میں میر کا مقام بہت بلند ہے۔ میر تقی میر آسمانِ سخن کے درخشاں آفتاب ہیں۔ آپ کواردو غزلِ کوئی میں ”خدائے سخن، سرتاجِ الشعراء اور شمنشاہِ غزل“ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ انسانی احساسات و جذبات کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں۔ بقول غالب ہے  
رمحنتہ کہ تم ہی استاد نہیں ہو غالب! کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

## غزل ا

**شعر نمبر ۱:**

رہی نگفتہ مرے دل میں داستان میری	نہ اس دیار میں سمجھا کوئی داستان میری
----------------------------------	---------------------------------------

**حوالہ شاعر:**

پیش نظر شعر میر تقی میرگی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو خدائے سخن اور شمنشاہِ غزل کما جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

زنانے کی طرف سے کی گئی ناقدری کا شکوه۔

**فنی خوبی:**

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

**مشکل الفاظ:**

نگفته: نہ کسی ہوتی، ان کسی  
داستان: کہانی

**تشریع:**

میر گفتہ ہیں کہ میر اطر زبیان نہایت پراثر اور مسحور کرنے ہے۔ اندائز بیان ایسا کہ جیسے کوئی جادو، کوئی سحر، کوئی افسوس جو کہ دلوں کے اندر اترتا چلا جاتا ہے۔ لیکن یہ ساری سحر بیانی، یہ باتوں میں چھپا جادو خاک میں مل گیا۔ افسوس کے سنتے والوں پر میری سحر بیانی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ میں جس قدر دافنی کا مستحق تھا زمانے نے میری وہ قدر نہ کی۔

یہ شعر میر گی ساری زندگی کا عکاس ہے۔ ایک تو وہ اس طرح چکپے سے دنیا سے چلے گئے اور دوسرے دنیا میں بھی قدر و منزلت نہ پچانی گئی۔ کلام کا سارا جادو، سارا افسوس اکارت چلا گیا۔

**مثال شعر:**

اب گئے اس کے جزا فوس نہیں کچھ حاصل  
حیف صد حیف! کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی

**شعر نمبر ۲:**

بہ رنگِ صوتِ جرس تجھ سے دور ہوں تنہا  
خبر نہیں ہے تجھے آہ، کارروائی میری

**حوالہ شاعر:**

پیش نظر شعر میر تقیٰ میر گی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدا نے سخن اور شمنشاہ غزل کما جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

میں تیرے ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں۔

**فنی خوبی:**

تشبیہ، [خود کو کارروائی کی گھنٹی سے تشبیہ دی ہے]

**مشکل الفاظ:**

صوت: آواز  
جرس: قافٹے کی گھنٹی  
کارروائی: قافٹہ

## تشريع:

جرس اس گھنٹی کو کہا جاتا ہے جسے قافلے کی روانگی کے وقت بجا�ا جاتے۔ میر کہتے ہیں کہ جرس کی آواز سے کاروال کا آغاز ہوتا ہے لیکن روانہ ہوتے ہی قافلے والے اس آواز کو بھی بھول جاتے ہیں۔ گویا وہ آوازان کے ساتھ ہو کر بھی ان کے ساتھ نہیں۔ اسی طرح اسے محبوب! میں تیرے ساتھ ہو کر بھی تجھ سے جدا ہوں اور تو میرے حال سے بالکل بے خبر ہے۔

(۲)۔۔۔ ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے اردو شاعری کے ابتدائی دور میں شاعری اور صفتِ غزل کو تناول درخت بنایا اور آج دوسرے شعراء میری پیروی کرتے ہوئے اس کاروال کو آکے لے کر چل رہے ہیں۔ افسوس کہ اس کاروال کی جرس (گھنٹی) میں تھا اور جرس کی آواز کی مانند میں آج بھی اس کاروال کے ساتھ ساتھ ہوں لیکن کاروال میری حالت سے بے خبر ہے۔

## شعر نمبر ۳:

اسی سے دور رہا اصل مدعا جو تھا  
گئی یہ عمر عزیز آہ! رائیگاں میری

## حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میرگی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدا نے سخن اور شمنشاہ غزل کہا جاتا ہے۔

## مرکزی خیال:

زندگی بھر مقصد سے دور رہا۔

## مشکل الفاظ:

مدعا: مقصد

## تشريع:

اس شعر میں میر تقی میر کہتے ہیں کہ دنیا وی زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی میں اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑے کیوں کہ دنیا میں اس کے آنے کا یہی ایک واحد مقصد ہے۔ میر تقی میر عمر کے آخری حصے میں اپنی زندگی پر افسوس کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ زندگی بھر میں دنیا اور دنیا والوں کے پیچھے بھاگتا رہا۔ دنیا کی چاہت نے مجھے اپنے دھوکے میں لیے رکھا اور مجھے اتنی ملت نہیں ملی کہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکوں جو کہ دنیا میں آنے کا اصل مقصد تھا۔ میرے جیسے کا جو اصل مقصد اور مدعا تھا وہ پورا نہ ہوا اور میری پوری زندگی رائیگاں اور صنائع چلی گئی۔

شعر نمبر ۳:

تیر سے فراق میں جیسے خیالِ مفلس کا گئی ہے فکر پریشان کہاں کہاں میری

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقیٰ میرگی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو خدا نے سخن اور شمنشاہ غزل کما جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

تیری جدائی میں در بدر کی ٹھوکریں کھائیں۔

مشکل الفاظ:

فرقہ: جدائی مفلس: غریب

تشریح:

اس شعر میں میر تقیٰ میر نے تمثیلی انداز بیان اختیار کیا ہے۔ میر نے محبوب سے جدائی کی کیفیت کو ایک مفلس کی سوچ اور خیال سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی جس طرح ایک غریب کی سوچ فکروں کی دنیا میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتی ہے اسی طرح اسے محبوب! ہم تیری جدائی میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے ہمارا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

مثال شعر:

بجھی عرش پر، بجھی فرش پر، بجھی ان کے در بجھی در بدر  
غم عاشقی تیرا شکریہ، ہم کہاں کہاں سے گزر گئے

شعر نمبر ۵:

دیا دکھائی مجھے تو اسی کا جلوہ میر پڑی جہاں میں جا کر نظر جہاں میری

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقیٰ میرگی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو خدا نے سخن اور شمنشاہ غزل کما جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

کائنات میں ہر جگہ صرف اللہ کی ذات پاک ہے۔

تشریح:

پیش نظر شعر میں شاعر اپنی کیفیت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہیں کہ کون و مکان کی وسعتوں میں صرف ایک ہی ہستی جلوہ گر ہے اور صرف ایک ہی معبد کا نور پھیلا ہوا ہے۔ ارض و سما کا ہر ذرہ جمال نور خداوندی کا مظہر ہے۔ اس کرہ ارض میں موجود چمکتی نہریں، حسین و دلکش وادیاں، آفتاں و مہتاب، فلک و زمین ہر شے اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ

کے سوا کسی اور کا وجود نہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ اس پھیلی ہوتی کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کا حسن موجود ہے، جہاں جہاں میری نظر گئی مجھے کائنات میں ہر جا خدا کا حسن و جمال ہی دکھائی دیا۔  
مثال شعر:

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

## غزل ۲

شعر نمبر ۱:

خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا تھا مستعار حسن سے اس کے، جو نور تھا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میرگی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو خدا نے سخن اور شمنشاہ غزل کا جاتا ہے۔

مکرznی خیال:

دنیا کی تمام روشنیاں محبوب کے حسن کی جھلک ہیں۔

فہی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

صفتِ مبالغہ

مشکل الفاظ:

مستعار: ادھار

تشریح:

اس شعر میں شاعر مبالغہ سے کام لیتے ہوئے محبوب کے حسن کی تعریف کر رہے ہیں۔ میر تقی میر کہتے ہیں کہ اس دنیا میں جتنی بھی روشنیاں ہیں دراصل وہ ہمارے محبوب کے حسن کا پرتو ہیں۔ ہمارے محبوب کا حسن اس قدر منور ہے کہ دنیا کی کوئی روشنی اس کے جلووں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کائنات کی سب سے زیادہ روشن مخلوق سورج بھی ہمارے محبوب کے حسن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سورج کی روشنی اس کے حسن کی ایک جھلک کے برابر ہے۔ مبالغہ کا استعمال کر کے سورج کی روشنی کو محبوب کے حسن کے ایک ذرے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

مثال شعر:

پرتو حسن سے ذرے بھی بنے آئینے کتنے جلوے کئے ارزال ترمی رعنائی نے

شعر نمبر ۲:

## مُغم کے پاس قاوم و سنجاب تھا تو کیا اس رند کی بھی راست کٹی جو کہ عورت تھا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میرگی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو خدا نے سخن اور شمنشاہ غزل کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

دنیا کی تمام نعمتیں فانی ہیں۔

مشکل الفاظ:

رند: شرابی / فقیر	قاوم: نیولے کی طرح کے ایک جانور کی کھال کا باس	مُغم: مالدار
-------------------	--	--------------

سنجاب: چوہے کی طرح کے ایک جانور کی کھال کا باس	عور: بے باس
--	-------------

تشریح:

مُغم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس خوب نعمتیں ہوں اور وہ خوب مالدار ہو۔ قاوم ایک قسم کے نیولے کا نام ہے جس کی کھال نہایت باریک اور بال نہایت سفید اور ملائم ہوتے ہیں۔ امیر لوگ سردی کے موسم میں اس کی پوستین بنائ کر پہننے ہیں اور اس سے نہایت گرم رہتے ہیں۔ سنجاب بھی ایک جانور کا نام ہے جو چوہے سے کچھ بڑا ہوتا ہے اور کی کھال نرم بالوں سے ڈھکی ہوتی ہے۔ سردی سے بچاؤ کے لیے اس کی کھال کی بھی پوستین بنائی جاتی ہے۔ یہ اکثر ترکستان سے آتا ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا اور اس کی نعمتیں غیر حقیقی اور فانی ہیں۔ جس کے پاس نعمتیں ہیں وہ بھی زندگی گزارتا ہے اور جس کے پاس پہنچنے کو باس تک نہیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح زندگی گزارہ ہی لیتا ہے۔ جو شخص عالیشان محل یا کوٹھی میں رہتا ہوا س کی بھی زندگی بسر ہوتی ہے اور وہ فقیر جو کسی را گزر پر بے باسی کے عالم میں پڑا ہوا س کی بھی کٹ ہی جاتی ہے۔ دنیا کی زندگی عارضی ہے اس میں اگر نعمتیں نہ بھی مل سکیں تو کیا غم؟ آخرت کی دائی اور حقیقی زندگی خوبصورت ہونی چاہیے۔

ماہل شعر:

## آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت اسباب ٹراہ میں یاں ہر سفری کا

شعر نمبر ۳، ۴:

## کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر میں بھی بکھو کسو کا سر پر غرور تھا

**حوالہ شاعر:**

پیش نظر شعر میر تقی میر گی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدا نے سخن اور شمنشاہ غزل کا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

دنیا کی بے ثباتی کا بیان۔

**مشکل الفاظ:**

کاسہ سر: کھوپڑی کا ڈھانچہ  
چور: ٹوٹا پھوٹا

استخوان: ڈھانچا

بجموکسو: بجمی کسی (قدیم اردو)

**تشریح:**

میر تقی میر آن دواشمار میں فرماتے ہیں کہ کل راہ چلتے چلتے میرا پاؤں اچانک ایک مرے ہوئے انسان کی کھوپڑی پر پڑا تو اس میں زبان آگئی اور مجھ سے مخاطب کو کر کہنے لگی اسے مغورو انسان ذرا دیکھ کے چل۔ غرور کو چھوڑ اور ندامت کی راہ اپنا لے کیونکہ میں بھی کسی گھمنڈی شخص کا سر تھا اور آج وہ سارا غرور خاک میں مل چکا ہے اور لوگ مجھے روندے جا رہے ہیں۔

شاعر دراصل یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس دنیاوی زندگی پر انسان کو غرور نہیں کرنا چاہے کیونکہ یہ دانسی زندگی نہیں بلکہ فانی ہے اور ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے یہ دنیا کی شہرت، عیش و عشرت، کمایا ہوا معاش یہی پر چھوڑنا ہے۔

**مثال شعر:**

کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا

**شعر نمبر ۵:**

تحاوہ تورشکِ حور بہشتی ہسی میں میر سمجھنے ہم تو فرم کا اپنی قصور تھا

پیش نظر شعر میر تقی میر گی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو خدا نے سخن اور شمنشاہ غزل کا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

محبوب کے کمالِ حسن کو ہم سمجھ نہ سکے۔

**تشریح:**

میر تقی میر آپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا محبوب اتنا حسین کہ جنت کی حوریں بھی اس پر رشک کریں۔ ہم محبوب کے قریب ہو کر بھی اس کے مقام اور اہمیت کو نہ سمجھ سکے۔ اب چونکہ وہ مجھ سے دور ہو چکا ہے

اس لئے اس کی خوبصورتی اور حسن کا احساس ہو گیا ہے، اب اس کے حلپے جانے کے بعد اس احساس کا کوئی فائدہ نہیں۔

### مثال شعر:

حیف صد حیف! کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی  
اب کئے اس کے جزا فوس نہیں کچھ حاصل

## مرزا سداللہ خاں غالب

### تعارفِ شاعر:

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب گون ہے  
کوئی بتلاو کہ ہم بتلائیں کیا  
نجم الدولہ، دبیر الملک، مرزا نوثرہ اسداللہ خاں غالب بہادر نظام جنگ (۱۸۶۹ء۔ ۱۸۷۹ء) اردو زبان کے سب سے  
بڑے شاعروں میں ایک سمجھے جاتے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ انیسویں صدی غالب کی صدی ہے۔ جبکہ اٹھارویں میر  
تقیٰ میرگی تھی اور بیسویں علامہ اقبال کی عظمت کا راز صرف ان کی شاعری کے حسن اور بیان کی خوبی ہی میں نہیں  
ہے۔ ان کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کے حلقائی اور انسانی نفیسیات کو گہرائی میں جا کر سمجھتے تھے اور بڑی سادگی سے عام  
لوگوں کے لیے بیان کر دیتے تھے۔ غالب نے اردو شاعری کو نیا موڑ دیا اور موضوعاتِ شاعری کو وسعت اور تنوع بخشنا۔  
آپ کے دیوان کو ہندوستان کی الہامی کتاب کہا گیا۔ بقول رشید احمد صدیقی:  
"دورِ مغلیہ نے ہندوستان کو تین چیزیں عطا کیں۔ اردو زبان، تاج محل اور مرزا غالب۔"

### غزل ا

### شعر نمبر ۱:

آخر اس درد کی دوا کیا ہے      دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے

### حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب گی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

### مرکزی خیال:

عشق کے سبب دل کی تکلیف پر پریشانی کا اظہار۔

### فہی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

### تشریح:

مرزا سداللہ خاں غالب کا ایک شعر سادہ اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر معنویت کے لیے ہونے ہیں

استفهامیہ انداز بیان اپنایا ہے شاعر پہلے مصروع میں اپنے دل کو مناطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اسے ناسمجھ دل تجھے کیا ہو گیا ہے اگر اسے دل تیرا یہی حال رہا تو پھر اس کا علاج کیا ہوگا؟ اب تو محبوب کی طرف سے منہ موڑ لے ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا مرض عشق کا سوائے ترک کرنے کے کوئی علاج نہیں ہے۔

شعر نمبر ۲:

میں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں  
کاش پوچھو کہ مدعایا ہے

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب گی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب کی بے رخی کا بیان۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ تم ہمارے احوال دوسروں سے پوچھتے پھرتے ہو، بھی ہمارے احوال خود ہم سے جاننے کی کوشش کرو۔ ہمارے پاس بھی تم سے کہنے کے لیے بہت کچھ ہے۔ شاعر دوسرا مصروع میں خواہش کرتا ہے کہ اسے میرے محبوب کا شتم ہم سے پوچھو کہ ہماری خواہش ہمارا مقصد کیا ہے۔ ہمارے پاس بھی بہت غمتوں اور شکایتوں کا انبار لگا ہوا ہے، بھی تم ہم سے پوچھو تو۔

مائل شعر:

اوروں سے کہا تم نے، اوروں سے سناتم نے  
کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سن ہوتا

شعر نمبر ۳:

سبزہ و گل کھا سے آئے ہیں  
ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب گی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

اسرارِ قدرت پر تعجب کاظماً۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر خدائے تعالیٰ کو مناطب کر کے کہتا ہے کہ اسے خدا! جب تیرے بغیر کوئی دوسرا موجود ہی نہیں تو دنیا میں اتنی ہنگامہ آرائی کیوں ہو رہی ہے۔ یہ ہری ہری گھاس اور پھول کیوں دل کو بھار ہے ہیں؟ ابر کیوں چھاتا ہے؟ ہوا

ہر چیز کو کیوں چھیرتی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اس دل فریب منظر نے کیوں سب کو اپنا دل دادہ بنارکھا ہے؟ اور کیوں تیری طرف توجہ نہیں کی جاتی؟ دراصل شاعر فریاد کر رہے ہیں کہ لوگ حقیقت سے غافل ہو کر ان مادی جلوؤں کی طرف کیوں متوجہ ہو رہے ہیں۔

### شعر نمبر ۳:

اور درویش کی صدائیا ہے

ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہو گا

### حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب گی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

### مرکزی خیال:

محبوب کو عاشق سے اچھا بر تاؤ کرنے کی تلقین۔

### تشریح:

غالب اس شعر میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اگر تو میرا بھلا کرے گا تو خدا بھی تجھے اس کا اجر عظیم دے گا۔ غالب خود کو فقیر بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں تو بس ایک درویش ہوں اور ایک درویش تجھ سے یہی سوال ہے کہ تو میری جھولی عشق سے بھر دے۔ میں دنیا کی نعمتیں اور دنیا کی دولت تجھ سے نہیں مان جتا۔ مجھ سے محبت کرنے میں تیرا نقصان بالکل بھی نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دنیا میں تجھے اس کے بد لے میں تجھے محبت دونگا اور آخرت میں خدا تجھے اس کا بہتر صلمہ عطا کرے گا۔

(۲)۔۔۔ ایک دوسرا عمومی مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی انسان دوسرے انسان کی مدد کرتا ہے تو اس کا مدد کرنا رائیگاں نہیں جاتا بلکہ اس کے بد لے اللہ تعالیٰ اپنے شایانِ شان بد لے عطا کرتے ہیں۔ غالب کہہ رہے ہیں کہ میں اک فقیر ہوں، اگر تم میری مدد کرو گے تو خدا تے بزرگ و برتر کی جانب سے تمہاری بھی یقیناً مدد ہو گی۔

### شعر نمبر ۵:

مفت ہاتھ آلتے تو برا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب

### حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب گی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

### مرکزی خیال:

دنیا میں مفت ملنے والی چیز کو اپنانے میں کچھ نقصان نہیں۔

### تشریح:

یہ شعر غزل کا مقطع ہے۔ اس میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں جو بھی چیز تمہیں مفت ملنے اسے لے لو۔ شاعر محبوب

سے بھی بھی کہنا چاہتا ہے کہ ویسے تو میں کچھ بھی نہیں، میری کوئی اہمیت نہیں۔ لیکن جب میں تمہیں مفت میں مل رہا ہوں تو ٹھکرائے میں کیا فائدہ ہے؟ مطلب یہ کہ جب مجھ سے محبت کرنے کے بدلتے تمہیں کوئی قیمت نہیں دیتی پڑ رہی تو محبت کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ تمہارے کسی قسم کے نقصان کے بغیر میرا فائدہ ہو رہا ہے تو ہونے دو۔

## غزل ۲

شعر نمبر ۱:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھرنہ آئے کیوں      روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب گی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کواردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

ہمارا دل کوئی پتھر تو نہیں کہ کسی کے تکلیف دینے کا احساس نہ ہو۔

مشکل الفاظ:

سنگ: پتھر      خشت: اینٹ

فہی خوبی:

مطلع، [غزل کا پہلا شعر]

تشریح:

اس شعر میں غالب کہتے ہیں کہ ہم بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہیں۔ ہمیں کوئی تکلیف دے گا تو ہمیں اس تکلیف کا احساس بالکل ویسے ہی ہو گا جیسا کہ دوسرے انسانوں کو ہوتا ہے۔ معشوق، عاشق کو سزا دیتا ہے، تکلیف دیتا ہے، دل دکھاتا ہے اور اس پر اس کا یہ اصرار بھی ہے کہ عاشق نہ روتے، اپنے گریہ کو ضبط کرے۔ غالب کہتے ہیں کہ ہم بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہیں ہمارے سینے میں بھی دل ہے کوئی پتھر یا اینٹ نہیں کہ جس پر کسی غم یا تکلیف کا اثر نہ ہو بلکہ ہم بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہیں اگر کوئی ہمیں تکلیف دے گا تو ہم روئیں گے، ایک بار نہیں ہزار بار ہمیں کوئی ستائے گا تو ہم ہزار بار روئیں گے بار بار روئیں گے۔

لفظ "کوئی" سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ محبوب سے اس درجے خفا ہیں کہ اسے قابل خطاب بھی نہیں

سمجھتے۔

شعر نمبر ۲:

دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں      بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھاتے کیوں

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب گی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

ہم کسی کی مملوکہ زمین پر نہیں بیٹھے کہ وہ ہمیں اٹھاسکے۔

فني خوبی:

صفتِ تضاد، [دیر و حرم]

تشریح:

اس شعر کی جتنی تعریف کی جائے، کم ہے۔ ہر شخص اپنے معیار کے مطابق اس سے لطف انداز ہو سکتا ہے۔ زبان کی بے تکلفی اور معنوی خوبیوں نے مل کر شعر کے درجے کو نہایت اعلیٰ کر دیا ہے۔

غالب کہتے ہیں کہ ہم سر راہ بیٹھے ہیں اور ظاہر ہے کہ راستہ کسی کی جا گیر نہیں۔ ہر شخص اسے استعمال کر سکتا ہے۔ یہ کوئی بت خانہ یا کعبہ تو ہے نہیں کہ کوئی ہمیں وہاں سے نکال دے اور نہ ہی کسی کی دہلیز ہے کہ یہاں سے ہمیں اٹھا دیا جائے۔ لہذا ہمیں یہاں سے اٹھنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر ہم کسی بت خانے یا مسجد میں ہوتے تو کسی وجہ سے ہمیں وہاں سے اٹھ جانے کے لیے مجبور کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ہم تو رہ گزر پہ بیٹھے ہیں لہذا رقبہ ہمیں یہاں سے اٹھ جانے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔

شعر نمبر ۳:

جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مهر نیم روز      آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپاٹے کیوں

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب گی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

اس کے کمالِ حسن کی وجہ سے کسی کی نظر اس پر ٹھہر سکتی نہیں۔ اسے پردے کی کیا ضرورت۔

مشکل الفاظ:

دل فروز: دل کو روشن کرنے والا / بھانے والا

جمال: خوبصورتی

مهر نیم روز: دوپہر کا سورج جو پوری آب و تاب دیتا ہے

نظارہ سوز: جو دیکھانے جا سکے

**فني خوبی :**

تشبیه، [محبوب کے حسین چھر سے کوچھکتے سورج سے تشبیہ دی گئی ہے]

**تشریح :**

زیادہ خوبصورت چیز کو آنکھ بھر کے دیکھا نہیں جاسکتا۔ اس شعر میں غالبَ نے محبوب کے چھر سے کو مہر نیم روز سے تشبیہ دی ہے۔ مہر نیم روز کا مطلب ہے دوپہر کا سورج، جس کو تیز چمک اور روشنی کی وجہ سے دیکھا نہیں جاسکتا اور آنکھ اس پر ٹھہر نہیں سکتی۔ نظارہ سوز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فرطِ حسن کی وجہ سے نظر اس پر ٹک نہ سکے۔ غالبَ کہتے ہیں کہ جب وہ حسین چھر دوپہر کے چمکتے سورج کی مانند قوتِ نظارہ کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے اور کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں سکتا تو پھر اسے پردے میں رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسے جا ب ترک کر دینا چاہیے۔

**شعر نمبر ۳ :**

قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں      موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

**حوالہ شاعر :**

پیشِ نظر شعر مرزا غالبَ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال :**

زندگی اور غم ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

**فني خوبی :**

صنعتِ تضاد، [حیات و موت]

**تشریح :**

غالبَ کہتے ہیں کہ زندگی اور غم کا بڑا گھر ارشتہ ہے یعنی حیات اور غم ایک ہی چیز کا نام ہے۔ قیدِ حیات اور بندِ غم میں کوئی فرق نہیں۔ جو آدمی زندگی کی قید میں ہے وہ ہمیشہ مصائب و آلام میں بنتلارہے گا۔ جیتے جی کوئی درد و غم سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب تک انسان زندہ ہے اس کو غم سے نجات نہیں مل سکتی۔ غم سے نجات توبت ہی ملے گی جب موت آئے گی۔ تمام دکھ درد، رنج والم، آرام و آرایش زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ زندگی قائم ہے تو سب ہی چیزوں سے واسطہ ہے اور مرنے کے بعد ہی ان تمام سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔

**مائیل شعر :**

مر منے ہم تو مت گئے سب رنج

یہ بھی اچھا ہوا، برآنہ ہوا

غالبِ خستہ کے بغیر، کون سے کام بند ہیں  
روئیے زار زار کیا، کچھی ہاتے ہاتے کیوں

شعر نمبر ۵

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب گی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

شاعر اپنی موت پر زبانِ حال سے اپنے احباب کو تسلیم دے رہا ہے۔

مشکل الفاظ:

زارزار: بہت رونا  
خستہ: نادار، مظلوم

تشریح:

غزل کے آخری شعر میں غالب نے ایک فرضی منظر کشی کی ہے کہ جیسے غالب مر چکے ہیں اور ان کے احباب غم میں زار زار رہ رہے ہیں اور سینہ پیٹ کر رہے ہاتے کر رہے ہیں۔ اب ان احباب کو تسلیم دینے کے لیے کہا جاتا ہے غالب ایک خستہ و مظلوم انسان تھا، کوئی اہم شخص نہ تھا، کوئی رئیس یا امیر تو تھا نہیں کہ اس کے چلے جانے سے کسی کا کوئی نقصان ہو۔ اس نادار شخص کے چلے جانے سے تمہارے کون سے کام رکے جاتے ہیں۔ اس کی ذات سے تو کوئی خاص فائدہ نہ تھا تو تم لوگ اس طرح ہاتے ہاتے کر کے زارو زار کیوں رو رہے ہو۔

## خواجہ حیدر علی آتش

تعارف شاعر:

دہستان لکھنو کے نمائندہ شاعر خواجہ حیدر علی آتش کا کلام حسن کلام کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ لفظوں کا انتخاب، ترکیبوں کا امتزاج، اور محاورے کا بر محل استعمال ان کے کلام کو اور زیادہ حسین بناتے ہیں۔ ان کی شاعری لکھنودور کی شاعری کے تمام نقصان سے پاک ہے۔ خیالات بلند اور تنوع ہیں۔ ان میں سوزوگداز اور خلوص و صداقت پائی جاتی ہے۔

ان کے کلام میں تکلف اور بناوٹ کا اثر بہت کم ہے۔ وہ شاعری کو "مرضع ساز" کا کام سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کا ہر لفظ موتیوں کی طرح شعروں میں جڑا نظر آتا ہے۔ انہی کے بقول ۔۔۔

شاعری بھی کام ہے آتش مرضع ساز کا  
بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں

## غزل ا

شعر نمبر ۱:

سن تو سی جہاں میں ہے تیر افسانہ کیا؟  
کستی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا؟

حوالہ:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

اہم یہ ہے کہ کسی انسان کی غیر موجودگی میں اسے کن الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

فسانہ: کہانی

فنی خوبی:

مطلع غزل کا پہلا شعر

تشریح:

اس شعر میں غالباً حاکم وقت کی طرف اشارہ ہے کہ تو اس خوش فہمی میں ہے کہ جو تو سوچتا ہے، درست ہے اور جو تو کرتا ہے وہ بجا ہے لیکن تجھے معلوم نہیں کہ لوگ تیرے حوالے سے کیا سوچتے ہیں۔ سامنے تو سب تیری تعریف کرتے ہیں اور سب ٹھیک کا نفرہ لگاتے ہیں، لیکن اس کی وجہ تیرا خوف ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ تیرے سامنے اگر تلخ حقیقت بیان کر دی تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں جو کہاں پائیں تیرے متعلق بنی ہیں انہیں بھی سن اور یہ بھی سن کہ خدا کی مخلوق تیرے پیٹھ پیچھے تجھ کو کیا کہتی ہے۔

شعر نمبر ۲:

زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سوزربہ کف

حوالہ:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

قارون نے اتنا خزانہ لٹایا کہ وہ پھولوں کی شکل میں باہر آ رہا ہے۔

مشکل الفاظ:

زربہ کف: ہاتھ میں سونا لیے ہوئے

گل: پھول

فني خوي:

حسن تعليل

تشریح:

قارون بنی اسرائیل کا ایک مال دار شخص تھا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی اور فرعون کا قریبی ساتھی تھا۔ اس کے پاس مال و ذر کا اتنا بڑا ساخنا نہ تھا کہ اس کی چابیاں طاقتوں لوگوں کی ایک جماعت سے بھی مشکل سے اٹھتی تھیں۔ اسے اپنے مال پر بڑا غرور تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے نافرمانی کے سبب مال و دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

شاعر اس شعر میں حسن تعلیل کا استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زیر زمین سے جو بھی پھول نکلتا ہے ہے وہ بہت قیمتی ہوتا ہے اور حسین و دلفریب رنگوں اور طرح طرح کی خوبیوں سے لبریز ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیر زمین قارون کا بہت ساخنا نہ موجود ہے جو ختم ہی نہیں ہو رہا اور جو پھول بھی نکلتا ہے اس سے بھر پور ہوتا ہے۔

شعر نمبر ۳:

طلب و علم ہے پاس نہ اپنے ہے ملک و مال  
ہم سے خلاف ہو کے کرے گازناہ کیا!

حوالہ:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

مخالفت اسکی کی جاتی ہے جو کسی لائق ہو۔

مشکل الفاظ:

طلب: ڈھول علم: جھنڈا

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ زمانے کی گردش اس شخص کو نقصان پہنچا سکتی ہے جس کے پاس کچھ ہو۔ ہم فقیر ہیں ہمارے پاس نہ مال و دولت ہے نہ جاہ و حشم۔ ہمیں نقصان پہنچا کر کسی کو کیا ملے گا۔ یا زمانہ اگر ہمارے خلاف ہو بھی جائے تو ہمارا کیا بگاڑ لے گا؟ محروم اسے کیا جاتا ہے جس کے پاس مال و دولت یا کوئی ساز و سامان ہو۔ ہم تو پہلے ہی تھی دست ہیں ہمارا مخالف اور ہمارا دشمن اگر ہمیں محروم کرنا بھی چاہے تو نہ کر سکے گا کیوں کہ ہمارے پاس کھونے کو کچھ نہیں۔

شعر نمبر ۲:

آتی ہے کس طرح سے مری قبض روح کو  
دیکھو تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا!

حوالہ:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال :**

دیکھتے ہیں کہ ہماری موت کا سبب کیا بنتا ہے۔

**تشریح :**

اس شعر میں شاعر زندگی اور موت کی کشمکش کو بیان کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ زندگی اتنے مصائب کا گھر ہو چکی ہے کہ اب جینا محال معلوم ہوتا ہے اور موت بے کہ آتی نہیں۔ کیوں کہ اسے کسی بہانے کی تلاش ہوتی ہے۔ یعنی کہ عموماً موت آتی ہے تو کوئی نہ کوئی بہانہ ساتھ لاتی ہے کہ فلاں شخص ایک حادثے میں مارا گیا اور فلاں حرکت قلب بند ہونے سے مر گیا۔ شاعر کہتا ہے کہ ہماری روح نکالنے کے لیے گویا ہماری موت کوئی بہانہ تلاش کر رہی ہے۔ ہمیں جستجو ہے کہ وہ کون سا بہانہ تلاش کر رہی ہے۔ یعنی دیکھتے ہیں کہ ہماری موت کا سبب کیا بنتا ہے۔ کیوں کہ جتنی تکلیفیں موت کا سبب بن سکتی تھیں وہ تو ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔

**شعر نمبر ۵ :**

یوں مدعاً حسد سے نہ دے داد، تو نہ دے آتشَ غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا!

**حوالہ :**

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال :**

ہم جانتے ہیں ہمارا کلام شاندار ہے۔

**فنی خوبی :**

صنعت تعلی

**تشریح :**

اس شعر میں شاعر صنعت تعلی کا استعمال کرتے ہوئے اپنی مدح بیان کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں ہمیں اس سے غرض نہیں کہ کوئی ہمارے کلام کو پسند کرے یا نہ کرے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا کلام نہایت پاکیزہ اور بڑھیا مضمایں پر مشتمل ہے۔ اب بھی اگر کوئی سے پسند نہ کرے تو یہ اس کا حسد اور کینہ ہو گا ورنہ کلام تو اپنی مثال آپ ہے اور نہایت ہی خوبصورت و اعلیٰ ہے۔

## غزل ۲

**شعر نمبر ۱:**

**نہال کس کو کرے با غباں، نہیں معلوم  
چمن میں رہنے دے کون آشیاں، نہیں معلوم**

**حوالہ:**

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

زمانے کی گردش کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔

**مشکل الفاظ:**

آشیاں: گھونسلہ / ٹھکانہ  
نہال: نہوش

چمن: با غ

**فni خوبی:**

تشبیہ، [دنیا کو با غ اور زمانے کو با غباں سے تشبیہ دی گئی ہے۔]

**تشریح:**

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔“ شاعر نے اسی مضمون کو منظوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ دنیا کو با غ سے اور زمانے کو با غباں سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں زمانے کی گردش کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔ بھی خوشی تو بھی غم، زمانے کی گردش ہی کا نتیجہ ہے۔ اب آگے چل کر کس کے نصیب میں خوشی ہو گی اور کس کے نصیب میں غم یہ تو زمانے کی گردش ہی بتائے گی۔ یہ گردش زمانہ کس آشیاں پر بھلی بن کر گرے گی اور کسے سلامت رکھے گی، کس کو غم زدہ کرے گی اور کسے خوش حال، یہ کوئی نہیں جانتا۔

**شعر نمبر ۲:**

**اخیر ہو گئے غفلت میں دن جوانی کے  
بہارِ عمر ہوتی کب خزاں، نہیں معلوم**

**حوالہ:**

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے یا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

جوانی کا زمانہ غفلت میں گزر گیا۔

**فni خوبی:**

○ صفت تضاد، [بہار اور خزاں]

○ صفت تشبیہ، [زندگی کو باغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔]

**تشریح:**

شاعر کہتے ہیں کہ انسان بہت غافل ہے۔ خاص طور پر جب انسان جوانی کی عمر میں ہوتا ہے تو اس کی غفلت انتہاء کی ہوتی ہے۔ دوسروں کی طرح ہم نے بھی جوانی کا زمانہ لاابالی پن میں گزار دیا۔ یہ سوچا ہی نہیں کہ آخرت کی زندگی بھی کوئی چیز ہے۔ نہ دنیا سنواری نہ آخرت کے لیے کچھ نیک کام کیے۔ جوانی کے نشے میں ایسے مدھوش رہے کہ آخرت کو بالکل نظر انداز کر گئے۔ پتہ ہی نہیں چلا کب زندگی کی بھار خزان میں تبدیل ہو گئی۔ یعنی جوانی پڑھاپے کی صورت میں بدل گئی۔ اب بڑھاپے میں پیچ کر احساس ہوا ہے مگر اب احساس کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ ناتوانی کی وجہ سے بہت سے نیک کام چاہ کر بھی نہیں کیے جاسکتے، کمال تو یہ تھا کہ بھرپور جوانی میں اللہ کو یاد کیا جاتا۔

**مائل شعر:**

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن  
آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوں گے

**شعر نمبر ۳:**

سپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق

اطھائے گا کون یہ بارگراں، نہیں معلوم

**حوالہ:**

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

عشق کا بوجھ ہر کوئی نہیں اٹھاسکتا۔

**مشکل الفاظ:**

سپرد: حوالے، سونپا ہوا  
بار: بوجھ  
گراں: بھاری

**تشریح:**

**مائل شعر:**

یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا  
محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں

شعر نمبر ۳:

کھلی ہے خانہ صیاد میں ہماری آنکھ قفس کو جانتے ہیں، آشیاں نہیں معلوم

حوالہ:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

ہم نے زندگی بھر تکلیفیں ہی تکلیفیں دیکھی ہیں۔

فني خوبی:

صفت تضاد، [تفس اور آشیاں]

تشبیه، [خود کو قید پر ندے سے تشبیہ دی گئی ہے۔]

مشکل الفاظ:

آشیاں: گھونسلہ

تفس: پنجہ

صیاد: شکاری

خانہ: گھر

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنی زندگی کے طویل درد و غم کے سفر کا ذکر کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ ہم نے زندگی بھر تکلیفیں ہی تکلیفیں دیکھی ہیں۔ ہماری مثال اس پر ندے کی سی ہے جس کی زندگی شکاری کے پنجہ سے میں شروع ہو کرو ہیں ختم ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اسے گھونسلے کا اور گھونسلے کی آزادانہ زندگی کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو گا۔ کہتے ہیں کہ وہ پر ندہ جس نے صیاد کے ظلم و ستم سستے سستے آنکھ کھولی ہو اور ساری زندگی اس کے ظلم و جور سنتا رہا ہوا سے آزاد زندگی کے بارے کیا معلوم ہو گا؛ بالکل اسی طرح ہم نے حادثات زمانہ کے جال میں آنکھ کھولی اور ساری زندگی ظالم کی غلامی میں زندگی گزاری۔ ہمیں خوشی اور آزادی کا کیا پتا ہو گا؟

شعر نمبر ۵:

چھٹیں کے زیست کے پھندے سے کس دن اے آتش جنازہ ہو گا کب اپنارواں، نہیں معلوم

حوالہ:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو لکھنؤ کا نمائندہ شاعر کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

زندگی سے نامیدی کا بیان۔

مشکل الفاظ:

زیست: زندگی

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ میں ایک بے اختیار اور بے بس انسان ہوں۔ میری بے چارگی کی حد یہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے تمام تر معاملات میں مجبور ہوں۔ میں لطفِ زیست سے مایوس ہو چکا ہوں اور بس اب موت کے انتظار میں ہوں، مگر نجات نے موت کب آئے گی۔ کاش کے موت آجائے اور میں زندگی کی ان تلخیوں سے نجات پا جاؤ۔ میں جبر فطرت کا پیروکار بننا ہوا ہوں اور یہ درد والم بھری زندگی لاچاری اور مجبوری میں بسر کر رہا ہوں۔

## حضرت موبہنی

تعارف شاعر:

نام سید فضل الحسن، تخلص حضرت، صلح یوپی کے ایک قصبے "موبہن" میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید اظہر حسین تھا۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ بی اے کرنے کے بعد ایک ادبی اور سیاسی پرچہ "اردوئے معلیٰ" کے نام سے جاری کیا۔

زندگی بھر حق و صداقت کی راہ پر گامزن رہے۔ وطن کی راہ میں قید و بند کی صعوبتیں بڑی حوصلہ مندی اور استقامت سے برداشت کیں۔ حضرت کا اپنا ایک منفرد انداز ہے۔ انہوں نے غزل کو ایک نیا وقار اور ایک نئی زندگی عطا کی۔ انہیں جدید اردو غزل کا مسیحا، غزل کا امام اور رئیس المتقزلین جیسے القابات دیے گئے۔

شعر نمبر ۱:

کھبرا گئے ہیں بے دلی ہم زبان سے ہم  
اپنا سا شوق اور وہ میں لائیں کہاں سے ہم

حوالہ:

یہ شعر مولانا حضرت موبہنی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو جدید غزل کا امام اور مسیحا کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

ہمارے اندر جو محبت کا جذبہ ہے وہ دوسروں میں لکھیے پیدا کریں۔

تشریح:

حضرت موبہنی اس شعر میں اپنی دلی حضرت بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارا دل محبت کے جذبے سے سرشار ہے مگر ہمارے ارد گرد جو لوگ ہیں بشمول ہمارے محبوب کے، وہ سب اس جذبہء محبت سے نا آشنا ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ کسی کے دل پر ہمارا اختیار نہیں۔ کسی کے دل میں ہم اپنی محبت داخل نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے محبوب کی بے

دلی سے شدید گھبرا گئے ہیں یعنی مایوس ہو گئے ہیں۔ محبوب کے دل میں محبت کا چراغ روشن کرنے کی صورت نظر نہیں آتی۔

### شعر نمبر ۲:

معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا      اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زبان سے ہم

**حوالہ:**

یہ شعر مولانا حسرت موهانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو جدید غزل کا امام اور مسیح اکھا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

محبوب کے تجھاں عارفانہ پر تنقید۔

**تشریح:**

حضرت موهانی اس شعر میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ہمارے دل کا حال تم بخوبی جانتے ہو۔ تم سے بہتر ہمیں کون جان سکتا ہے۔ ہماری خوشیوں کا سامان اور ہمارے غمتوں کے اسباب تمہارے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ مگر تم جان کر انجان بن رہے ہو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنے دل کا حال زبان سے کہیں؟ ظاہر ہے کہ دل کی کیفیت کو الفاظ کا بادہ نہیں پہنایا جاسکتا، ہمارے دل کے حال کو تمہیں بنابیان کیے محسوس کرنا ہو گا۔

**شعر نمبر ۳:**

مایوس بھی تو کرتے نہیں تم زراہ ناز      رنگ آگئے ہیں کش مکش امتحان سے ہم

**حوالہ:**

یہ شعر مولانا حسرت موهانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو جدید غزل کا امام اور مسیح اکھا جاتا ہے۔

**مرکزی خیال:**

**تشریح:**

اس شعر میں رنگِ تغزل غالب ہے۔ حضرت موهانی محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم نے ہمیں عجیب کش مکش میں بنتلا کیا ہوا ہے۔ نہ رضامندی ظاہر کرتے ہونہ واضح انکار کرتے ہو۔ ہاں اور ناں کی کیفیت میں ڈال رکھا ہے۔ تمہاری بے رخی اور بے اعتنائی کو دیکھ کر ہم مایوس ہو جاتے ہیں لیکن جب تمہارے ناز وادا کو دیکھتے ہیں تو ڈھارس بندھتی ہے۔ سمجھ نہیں آتا کہ کریں تو کیا کریں۔

شعر نمبر ۲:

ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق

پھر آگئے وہیں پہ، حلپے تھے جہاں سے ہم

حوالہ:

یہ شعر مولانا حسرت موهانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو جدید غزل کا امام اور مسیح اکھا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

عشق کی کوئی انتہاء نہیں۔

تشریح:

حضرت موهانی اس شعر میں کہتے ہیں کہ ما یوسی کی انتہاء اور شوق کی ابتداء میں کوئی فرق نہیں۔ عشق میں معشوق کے رویے سے ما یوس ہونے کی کیفیت اور ابتدائے عشق کی کیفیت دونوں ایک سی ہیں۔ عشق کی ابتداء میں تکمیل شوق کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور مشکلات انسان کو نا امید کرتی ہیں ما یوسی کی انتہاء پر پہنچ کر بھی انسان عشق سے ما یوس ہوتا ہے۔

مطلوب یہ ہے کہ اگر ہم عشق میں ما یوس ہو گئے تو اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں کیوں کہ عشق کی ابتداء بھی ما یوسی سے ہی ہوتی ہے۔ تو ہمیں پریشان ہونے کے بجائے دوبارہ عشق کا سفر شروع کرنا چاہیے۔

مماٹی شعر:

ترے عشق کی انتہاء چاہتا ہوں

مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

شعر نمبر ۵:

حضرت پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی

اچھا، جو سر اٹھائیں بھی اس آستان سے ہم

حوالہ:

یہ شعر مولانا حسرت موهانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو جدید غزل کا امام اور مسیح اکھا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

محبوب ہمارا واحد سما رہے۔

تشریح:

غزل کے آخری شعر یعنی مقطع میں شاعر محبوب کی چوکھت کی قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم اس در کا پیچھا چھوڑ دیں۔ چلو فرض کرو کہ اس کے آستان، اس کی چوکھت سے ہم سر اٹھا بھی لیں تو ہمارے محبوب سے بڑھ کر یا اس کے جیسا کوئی ہے کہاں جس کے برتنے ہم اس چوکھت سے سر اٹھائیں۔ اس جیسا کہاں ملے گا کہ جس کی دہیز پر ماتھا ٹیکیں۔ اس شعر کو عشق حقیقی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## طریقہ جواب سوال نمبر ۲

سوال نمبر ۲: گیارہویں جماعت کے پرچے میں اس سوال میں طلبہ کو نظم کے بند کی تشریح یا مرکزی خیال میں سے کسی بھی ایک جز کے جواب دینے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ لہذا یہ طلبہ کی پسند پر منحصر ہے کہ وہ نظم کے بند کی تشریح کریں یا نظم کا مرکزی خیال تحریر کریں۔  
نظم کے جزوی تشریح:

۸

- ۲ نمبر  
۶ نمبر

- سالِ اول میں جزوی نمبر:  
 الف) نظم اور شاعر کا نام۔  
 ب) بند کی تشریح۔

### مرکزی خیال:

اس سوال کا جواب کثرت تعبیر کر دیا ہے۔ اگرچہ نظم کا مرکزی خیال فقط دو ایک سطروں میں تحریر کرنا چاہیے، لیکن طلبہ اس کا جواب پھیلائ کر لکھتے ہیں۔ اساتذہ کے نوٹس میں 'مرکزی خیال' بہ طرزِ خلاصہ تحریر ہوتا ہے۔ ممتحن بھی اسی کے عادی ہیں اور اتنے ہی مواد پر نمبر دیتے ہیں۔ اساتذہ کی ایک خاص تعداد تحقیقی مرکزی خیال لکھتے لکھاتے ہوئے ڈرتی ہے کہ کہیں ان کے طلبہ کے نمبر کٹ نہ جائیں، اس لیے ضروری ہے کہ مرکزی خیال کے کم سے کم مواد پر اتفاق کر لیا جائے اور کسی بھی صورت مرکزی خیال کی طوالت ۸ یا ۹ سطور سے زائد نہ ہو۔ بصورت دیگر نمبر منہا کر لیے جاتے ہیں۔

سالِ اول (گیارہویں) میں نمبروں کی تقسیم اس طرح ہے:

- ۲ نمبر  
۶ نمبر

- الف) شاعر کا مختصر تعارف۔  
 ب) مرکزی خیال۔

## جوانی خاکہ

(الف) تعارفِ شاعر:

(ب) مرکزی خیال:

**حارت با سم**

# نظموں کے مَرْكُزِی خیال

## رہے نام اللہ کا

(الف) تعارف شاعر:

نظم "رہے نام اللہ کا" نظیر اکبر آبادی کے قلم کی تخلیق ہے۔ سید ولی محمد نام اور نظیر سنجھ تھا۔ ۱۸۶۱ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی اور ملکی کا پیشہ اختیار کیا۔ نظیر اکبر آبادی کو عوامی و جمصوری شاعر اور بحوارہ شاعر بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعری فطرت سے قریب تر اور حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ نظیر کلام کے دوران نئے الفاظ کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ اس دور میں جب کہ غزل کا بول بالا تھا، نظیر اکبر آبادی نے نظم کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

**نظیر اکبر کی منفرد شاعری کی وجہ مطالعہ جزئیات ہے۔ (ڈاکٹر سید عبداللہ)**

(ب) مرکزی خیال:

عوامی شاعر نظیر اکبر آبادی نے اس نظم میں دنیا کی بے ثباتی کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ درس دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ دنیا، اس دنیا کے عمدے و مراتب، غرض اس دنیا کی ہرشے فنا ہو جانے والی ہے۔ باقی رہے گی تو صرف اور صرف ایک اللہ کی ذات، اسی کا نام زندہ رہے گا۔

شاعر انسان کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اسے ہر لمحہ اس بات کا احساس رہنا چاہیے کہ اس دنیا کی چمک دمک فرضی اور عارضی ہے۔ اس کو حقیقی سمجھنے اور اس میں کھو کر رہ جانے کے بجائے انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی گئی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ اور اس بات کو ہرگز نہ بھولے کہ حقیقی زندگی آخرت ہی کی ہے، یہ دنیا کھلی اور تناشہ کے سوا کچھ نہیں۔

## داستان تیاری میں باغ کی

(الف) تعارف شاعر:

میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد میر غلام حسین صاحب اپنے زمانے کے معروف مرثیہ گو شاعر تھے۔ شعرو سخن کا ذوق موروث تھا۔ بچپن سے شاعری کی طرف میلان تھا۔ لکھنؤ میں اسے اٹھان ملی۔ میر ضیاء الدین کے شاگرد ہوئے۔ دلی میں تھے تو خواجہ میر درد کو اپنا کلام دکھایا تھا۔ خواجہ صاحب ہی کی روحانی تعلیم اور فرض صحبت کے اثر سے شنوی "رموز العارفین" لکھی۔

ان کا شاہکار ان کی شنوی "سحر البيان" ہے۔ ان کا کلام تقریباً تمام اصناف سخن، شنوی، غزلیات، بھجیات، قصائد، مرثیے، رباعیات، قطعات، ترکیب بند اور ترجیح بند وغیرہ پر مشتمل ہے۔ لیکن ان کی شہرت کی وجہ ان کی شنوی گوئی بنی۔ انہوں نے گیارہ شنیاں لکھیں۔ "بند کرہ شعرائے اردو" بھی میر حسن کی اہم تصنیف ہے۔ یہ بند کرہ فارسی میں ہے۔ میر خلیق کے بیٹے یعنی میر حسن کے پوتے میر ایس آپنی مرثیہ نگاری کے باعث اردو شاعری کے آسمان پر آفتاب بن کر چکے۔

پس منظر:

شنوی "سحر البيان" (قصہ بے نظیر و بدر منیر) نے اردو زبان میں جو شہرت حاصل کی ہے وہ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد آج تک کسی شنوی کو نصیب ہوئی۔ زبان و بیان، جزیات نگاری اور منظر نگاری میں یہ شنوی اپنا جواب نہیں رکھتی۔ زبان کی سادگی اور الفاظ کی بندش کا یہ حال ہے کہ سحر البيان جانے والی زبان لگتی ہے۔ اسلوب میں پرکاری ہے۔ تکلف و تصنیف کا شائزہ تک نہیں۔

(ب) کہانی:

کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا جو اپنی منصف مزاجی کی وجہ سے رعایا میں ہر دل عزیز تھا۔ بادشاہ کو تمام نعمتیں یسر تھیں مگر اولاد جیسی نعمت سے محرومی اس کی زندگی کی سب سے بڑی محرومی تھی۔ اس محرومی و مایوسی کے عالم میں بادشاہ دنیا ترک کر دینے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ شاہی نجومی بادشاہ کے ہاں چاند سے بچے کی پیدائش کی خوشخبری دیتے ہیں۔ لیکن اس کی سلامتی و زندگی میں چند خطروں کی نشان دہی کرتے ہوئے اس احتیاط کی تلقین کرتے ہیں کہ اسے بارہ سال کی عمر تک محل کے اندر رکھا جائے اور رات کھلے آسمان تلنے سونے نہ دیا جائے، کچھ عرصے بعد واقعی بادشاہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اس کا نام اس کی خوبصورتی اور مردانہ وجہت کے پیش نظر "بے نظیر" رکھا جاتا ہے۔ تمام شاہی تکلفات اور نازو نعم کے

ساتھ ۱۲ اسال تک اسے محل کے اندر رکھا جاتا ہے۔ مگر سال کے آخری دن جب اس کی عمر بادشاہ کے حساب سے پورے بارہ سال ہو گئی تھی (حالانکہ اتفاق سے ایک دن کم تھا) وہ رات کو صند کر کے چھت پر سو جاتا ہے۔ آدمی رات کے قریب ماہ رخ پری کا گزر وہاں سے ہوا، اسے سوتے دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئی اور اپنے ساتھ پرستان میں لے گئی۔ شہزادے کی گم شدگی پر صحیح محل میں قیامت کا منظر پر باہو جاتا ہے۔ بڑی تلاش کی گئی مگر شہزادے کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ ماہ رخ پری طرح طرح سے شہزادے کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ شہزادہ اپنی صغیر سنی کے باعث اداں، ملوں اور پریشان رہتا ہے۔ اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے ماہ رخ پری اسے کل کا گھوڑا دیتی ہے۔ اس گھوڑے پر سیر کرتا پھر تا شہزادہ ”بدر میر شہزادی“ کے باغ میں اترتا ہے، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر عاشق ہو جاتے ہیں کہ اچانک ایک دن ایک دیوان دونوں کو وصل کی حالت میں دیکھ لیتا ہے۔ اس کی اطلاع ماہ رخ پری کو ہوتی ہے تو وہ انتہائی غضبنما ک ہو کر شہزادے کو واپس آنے پر کوہ قاف کے اندر ہے کونٹین میں ڈلوادیتی ہے۔ بدر میر کا عجیب حال ہے، اس کی رازدار سیلی وزیرزادی نجم النساء بے نظیر کی تلاش میں نکلتی ہے۔ اور آخر کار بڑی مشکلوں سے جنوں کے بادشاہ کے بیٹے فیروز شاہ کی مدد سے بے نظیر کو رہائی دلاتی ہے۔ دونوں کی شادی ہو جاتی ہے خود نجم النساء فیروز شاہ کے ساتھ بیاہ کر لیتی ہے۔ اور یوں یہ ثنوی طرب ناک انعام کو پہنچتی ہے۔

### (الف) تعارف شاعر:

میر ببر علی ائمہ آردو کے مشہور مرثیہ نگار شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنے کمال سے مرثیہ کے فن کو کمال عروج عطا کیا ہے۔ ان کا کلام فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جذبات و واقعات کی منظر کشی ان کا امتیازی نشان ہے۔ ان کی پانچ پشتیں مرثیہ نگاری میں مصروف عمل رہیں۔ میر ائمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ الفاظ ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

### (ب) مرکزی خیال:

اس نظم میں میر ائمہ اللہ پاک کے حضور دعا گو ہیں۔ شاعر اپنی شاعری کے فن کی معراج مانگ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اے خدا! آپ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ آپ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، نہ ہوگی۔ آپ جسے چاہتے ہیں عزت کی دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔ مجھے شاعری کا کمال عطا فرمائیے، میں جو کہوں وہ سennے والوں کا دل موہ لے۔ مجھے فنِ شاعری کا ایسا دمکتا ہوا ستارہ بنادیجیے جسے دیکھ کر ثریا بھی رشک کرے۔ مجھے الفاظ و معانی پر ایسا عبور عطا کیجیے کہ میں بات کا رخ جس طرف

چاہوں موڑوں۔ اللہ پاک نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے بارے میں یہ کہا گیا کہ ان کے سامنے الفاظ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

## چپ کی داد

(الف) تعارف شاعر:

یہ نظم خواجہ الطاف حسین حالیؑ کے درد مندانہ جذبات کا اظہار ہے۔ مولانا حالی سر سید احمد خان کے راست تھے اور سر سید تحریک کا مقصد زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کرنا تھا۔ چنانچہ شعرو ادب کے حوالے سے یہ کام حالیؑ کے حصے میں آیا۔ شعر گوئی میں آپ غالب کے باقاعدہ شاگرد رہے۔ غالب کے بعد وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے نظم و نثر دونوں میں قسمت آزمائی کی اور دونوں میں برابر شہرت کیا۔ کامال یہ ہے کہ انہوں نے شعر میں فضول گوئی سے بچتے ہوئے سادہ اور پراثر زبان میں وہ کام کیا جو ایک ناصح اپنی نصیحت سے اور سپاہی تلوار سے کرتا ہے۔ اردو شاعری میں قومی شاعری کا آغاز حالیؑ کی بدولت ہی ممکن ہوا۔

(ب) مرکزی خیال:

چپ کی داد، حالیؑ کی ایک مشور طویل نظم ہے۔ ہماری درسی کتاب میں اس نظم کا آٹھواں بند شامل کیا گیا۔ حالیؑ نے اس نظم میں خواتین کو موضوع سخن بنایا ہے۔ انہوں نے اس نظم میں خواتین کے اوصاف اور خوبیاں بیان کی ہیں اور ہماری زندگیوں میں ان کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

حالیؑ کے بقول دنیا کی ساری خوبصورتی عورتوں ہی کے دم سے ہے اور انہی کی وجہ سے ہمارے گھروں میں برکت ہے۔ عورت چاہے ماں ہو، بیٹی ہو، بہن ہو یا بیوی، الغرض کسی بھی روپ میں ہو ہر لحاظ سے قبل احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو اس کا محافظ اور اس کی ضرورتوں کا ضامن بنایا ہے۔ اس نظم کے ذریعے حالیؑ صاحب، مرد کو یہ درس دینا چاہتے ہیں کہ وہ عورت کی اہمیت کو بھر پور انداز میں سمجھے اور اس کی نازکیوں کا ادرک کرتے ہوئے اس کے لیے محافظ بازو کا کردار ادا کرے۔

## مردِ مسلمان

**(الف) تعارف شاعر:**

یہ نظم شاعر مشرق علامہ اقبال کا شاہکار ہے۔ علامہ اقبال کو آفی شاعر کہا جاتا ہے۔ علامہ نے دوسرے شعراء کی طرح زلف و رخ کی بات کرنے کے بجائے ناصحانہ انداز اختیار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ علامہ کی شاعری میں "رومی جمود" نہیں بلکہ "روحانی سر بلندی" پائی جاتی ہے۔ اقبال نے انسان کو اس کی عظمت کا احساس دلایا اور اسے شعور بخش کر اسرا رور موز زندگی سے آشنا کیا۔ دیگر شعراء کے کلام پر نظر ڈالی جاتے تو احساس ہوتا ہے کہ ہر شاعر کا ایک خاص رنگ ہے جبکہ علامہ اقبال کی شاعری مختلف رنگوں کا ایک مکمل گھستہ ہے۔ فلسفہ عشق ہو یا فلسفہ خودی، مغربی تہذیب پر طنز ہو یا نوجوانوں کو نصیحت، ہر موضوع کو منفرد اور یتھا انداز میں بیان کرتے ہیں۔

**(ب) مرکزی خیال:**

اس نظم کے نام سے واضح ہے کہ علامہ اقبال اس میں مردِ مومن کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں۔ علامہ کے مطابق ایک مردِ مسلمان مختلف قسم کی متناضاد صفات کا حامل ہوتا ہے اور موقع محل کی مناسبت سے وہ اپنی صفات کا عمدگی سے استعمال کرتا ہے۔ اسے یہ ادراک ہوتا ہے کہ کس وقت اور کس جگہ کون سی صفات کو اختیار کرنا ہے۔

علامہ نے مردِ مسلمان کو چار عناصر سے ترکیب کیا ہے۔ پہلا عضر قواری ہے یعنی اس میں ایسی ہیبت اور ایسی قوت ہوتی ہے کہ مخالف اس کے رعب سے لرزائھتا ہے۔ دوسرا عضر غفاری ہے یعنی وہ اپنے دوستوں کے حسن سلوک اور رحم کا معاملہ کرتا ہے اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔ تیسرا عضر قدوسی ہے یعنی اس کے پاکیزہ وجود سے صرف عمل صالح کا ظہور ہوتا ہے۔ چوتھا عضر جبر و قی ہے یعنی وقت پڑنے پر وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح ثابت قدم رہتا ہے۔  
یہ چار اجزاء ترکیبی ہوں تو بتتا ہے کامل مردِ مسلمان! بقول علامہ

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

## نوائے سروش

**(الف) تعارف شاعر:**

مندرجہ بالا نظم شاعر مزدور احسان دانش کا درد بھرا تخلیل ہے۔ احسان دانش دنیا کے اردو میں شاعر مزدور کہلاتے ہیں۔ ان کی شاعری کا بنیادی مضمون غربی، نادری اور مظہری کا بیان ہے۔ یہ وہ واحد شاعر ہیں جنہوں نے خود بھی مزدوری کی۔ احسان دانش بنیادی طور پر نظم گوشاعر ہیں۔ غریب طبقے سے ہمدردی ان کے کلام کا خاص موضوع ہے۔

کوئی بے جرم سزا ہو جیسے  
زندگی یوں بیت رہی ہے دانش

**(ب) مرکزی خیال:**

اس نظم میں شاعر مزدور جناب احسان دانش صاحب قوموں کی ترقی کے لیے ان کے باہمی اتحاد و اتفاق پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ شاعر کے نزدیک قومی ترقی کا اولین مرحلہ یہ ہے کہ قوم کے تمام افراد متحد ہوں۔ قومی اتحاد و اتفاق کے بغیر قومی ترقی کسی صورت ممکن نہیں۔ اور قومی اتحاد ایک ہی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے قومی اتفاق۔ یعنی قوم کا ہر شخص اپنے ذاتی مفہاد کو اہم سمجھنے کے بجائے قوم کے وسیع تر مفہاد کو ترجیح دے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا ساتھی بننے اور آپس میں بھائی چارے اور پیار محبت کے رشتہوں کو استوار کرے۔

شاعر اس نظم میں ہر شخص کو اپنی ذات سے دوسرے کو فائدہ پہچانے اور باہمی ربط قائم رکھنے کا درس دے رہے ہیں۔ شاعر لوگوں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ خود کے لیے جیسے تو کیا جیے؟ کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ایسی زندگی گزاری جائے جو دوسروں کے بھی باعث سکھ ہو۔

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے

آتے ہیں جو کام دوسروں کے

## تن بہ تقدیر (قطعہ)

**(الف) تعارف شاعر:**

یہ نظم شاعر مشرق علامہ اقبال کا شاہکار ہے۔ علامہ اقبال کو آفی شاعر کہا جاتا ہے۔ علامہ نے دوسرے شعراء کی طرح زلف و رخ کی بات کرنے کے بجائے ناصحانہ انداز اختیار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کی شاعری میں "رومی جمود" نہیں بلکہ "روحانی سر بلندی" پائی جاتی ہے۔ اقبال نے انسان کو اس کی عظمت کا احساس دلایا اور اسے شعور بخش کر اسرا رور موز زندگی سے آشنا کیا۔ دیگر شعراء کے کلام پر نظر ڈالی جائے تو احساس ہوتا ہے کہ ہر شاعر کا ایک

خاص رنگ ہے جبکہ علامہ اقبال کی شاعری مختلف رنگوں کا ایک مکمل گلستانہ ہے۔ فلسفہ عشق ہو یا فلسفہ خودی، مغربی تہذیب پر طنز ہو یا نوجوانوں کو نصیحت، ہر موضوع کو منفرد اور یکتا انداز میں بیان کرتے ہیں۔

### (ب) مرکزی خیال:

"تن بہ تقدير" کا مطلب ہے کہ بنا کچھ کیے خود کو قسمت کے حوالے کر دینا۔ اس قطعہ میں علامہ اقبال مسلمانوں کے زوال کے اسباب کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے تقدير کا غلط مطلب سمجھ لیا ہے کہ خود سے کچھ نہیں کرنا اور اپنے تین تقدير کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا ہے۔

علامہ کہتے ہیں کہ جو قوم اپنی تقدير خود اپنے ہاتھوں سے لکھا کرتی تھی آج وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے اپنے مستقبل کا انتظار کر رہی ہے۔ خدا بھی اس قوم کی حالت نہیں بدتا جو خود اپنی حالت بدلنے کا ارادہ نہ کرے۔ اقبال کے مطابق یہ سب کچھ غلامانہ سوچ کی وجہ سے ہے۔ اگر آج بھی مسلمان خود کو ذہنی غلامی سے آزاد کر لیں تو اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ بقول اقبال

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا  
اگر کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

### مہک (قطعہ)

#### (الف) تعارف شاعر:

رئیس امر وہوی کا اصل نام سید محمد مهدی، شخص رئیس اور عرفیت اچھن تھی۔ اترپردیش کے علاقے امر وہہ میں پیدائش کی وجہ سے امر وہوی کھلا تے۔ آپ کا تعلق ایک علمی و ادبی گھرانے سے تھا۔ والد علامہ شفیق حسن ایلیا فلسفی اور شاعر تھے۔ بھائیوں میں سید محمد تقی، سید محمد عون اور معرکۃ الاراء شاعر جوں ایلیا ہیں۔ آپ کو بیویوں صدی کا سب سے بڑا قطعہ نگار کہا جاتا ہے۔ قطعات کے علاوہ غزلیات، قصائد، مثنویاں، نوحے اور مزاحیہ شاعری بھی کی۔ وہ تمام اصناف کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کی مشور تھانیت میں "پس غبار، ملوس بھار، بحضرت یزاد، نجم السحر، انا من الحسین" وغیرہ شامل ہیں۔

### (ب) مرکزی خیال:

اس قطعہ مہک میں رئیس امر وہوی حکمرانوں کی طرف سے کیے گئے بھوٹے وعدوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ ہمارے حکمران فضا میں موجود گرد و غبار کو ابر بتا کر ہمیں جھانسہ دیتے ہیں۔ ہر حکمران ایک ہی راگ الپتا ہے کہ خوشحالی بس آیا ہی چاہتی ہے۔ اور یہ ہی کہتے کہ بس یہ مشکل وقت کٹ جائے کسی طرح پھر سب ٹھیک آنے والا ہے،

حکمران اپنی مدت پوری کر کے اپنی راہ لیتا ہے اور عام آدمی دیکھتا رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ جس اچھے موسم اور خوش حال وقت کی وہ بات کر رہا ہے حقیقت میں اس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

## سائیدا فیلمس

### (الف) تعارف شاعر:

انور مسعود کی پیدائش ۸ نومبر ۱۹۳۵ء گجرات پاکستان میں ہوئی اور بعد میں لاہور کی طرف ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے تعلیم حاصل کی اور پھر سے گجرات اپنے شہر کی طرف واپس آگئے جہاں انہوں نے "زیندارا کالج گجرات" میں تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے ایم اے (فارسی) کی ڈگری اور یونیٹ کالج لاہور سے گولڈ میڈل کے ساتھ حاصل کی۔ وہ پنجاب کے مختلف کالجوں میں فارسی کے پروفیسر رہے۔ انور مسعود ایک معروف شاعر ہونے کے ساتھ مختلف زبانوں میں لکھا اور پڑھ سکتے ہیں۔ انور مسعود نہ صرف مزاحیہ شاعری کے موجودہ دور کے معروف ترین شاعر ہیں بلکہ وہ سنبھیہ شاعری بھی اتنی ہی کمال کی کرتے ہیں۔

### اہم تصانیف:

- ↔ شاخ تہسم - اردو
- ↔ میلہ اکھیاں دا۔ پنجابی (پنجاب رائز گلڈ انعام یافتہ)
- ↔ میلی میلی دھوپ - اردو
- ↔ غنچہ پھر لگا کھلنے - اردو
- ↔ قطعہ کلامی - (اردو قطعات)
- ↔ اک دریچہ اک چراغ - اردو
- ↔ بات سے بات - (مضامین)
- ↔ فارسی ادب کے چند گوشے - (مقالات)
- ↔ تقریب (تعارفی مضامین - اردو)
- ↔ درپیش - (مزاحیہ اردو)
- ↔ ہُن کیہ کریے؟ - (پنجابی کلام) (ہجرہ انعام یافتہ)

### (ب) مرکزی خیال:

سائیدا فیلمس ایک مزاحیہ نظم ہے۔ شاعر انور مسعود اس نظم میں جدید طریقہ علاج پر تقدیم کر رہے ہیں اور اس علاج کے بعد پیدا ہونے والی دچسپ صورت حال کو نہایت ہی عمدہ اور ظریفانہ انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ علاج کے جدید طریقے سے مریض کو فوراً آرام تو آ جاتا ہے لیکن ایک مرض کا علاج کرنے سے اس کے جسم میں کئی دوسرے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور دیگر بہت سی بیماریوں کے پیدا ہونے کے خدشات بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک سر درد کی گولی کھانے سے دل، گردہ، آنکھ، کان، ناک کچھ بھی خراب ہو سکتا ہے۔

## استغاثہ

### (الف) تعارف شاعر:

افتخار عارف ۲۱ مارچ، ۱۹۳۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ان کا خاندان کراچی منتقل ہو گیا۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا۔ اپنی علمی زندگی کا آغاز ریڈیلو پاکستان میں بحیثیت نیوز کا سٹر کیا۔ پھر پہنچنی وی سے منسلک ہو گئے۔ اس دور میں ان کا پروگرام کسوٹی بہت زیادہ مقبول ہوا۔ بی سی سی آئی بینک کے تعاون سے چلنے والے ادارے ”اردو مرکز“ کو جوان کرنے کے بعد آپ انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد مقندرہ قومی زبان کے چیر میں بنے۔ اس کے بعد اکادمی ادبیات کے چیر میں کی حیثیت سے خدمات سر انجام دیتے رہے۔ جبکہ نومبر ۲۰۰۸ء سے مقندرہ قومی زبان کے چیر میں کی حیثیت سے خدمات سر انجام دینے کے بعد آج کل اسلامی جمہوریہ ایران کے دار الحکومت تہران میں ”ایکو“ تنظیم کے ثقافتی شعبے کو سنبھالے ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایران میں ہونی والی ادبی اور علمی مخلوقوں کے ساتھ مشاعروں میں افتخار عارف صاحب کی شرکت تقریباً ایک لازمی امر بن گئی ہے۔

### اہم تصانیف:

بارہواں کھلاڑی	مہر دو نیم	حرف باریاب	جهان معلوم	کتاب دل و دنیا (کیات)
----------------	------------	------------	------------	-----------------------

### (ب) مرکزی خیال:

نظم استغاثہ افتخار عارف صاحب کی مشہور آزاد نظموں میں سے ایک ہے۔ اس نظم میں شاعر افتخار عارف انتہائی مايوسی کے ساتھ خدا کی طرف سے کسی مجرمے کی دعا کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ اپنے اسلاف کے بر عکس ہماری قوم میں عفو و درگذر یعنی معاف کرنے اور ایک دوسرے کے دکھ درد کو بانٹنے کی صلاحیت بالکل ختم ہو چکی ہے۔ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کی روایتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اب ان حالات میں خدا کی طرف سے کوئی محجزہ ہی ہمارے قومی بگاڑ کو ختم کر سکتا ہے۔ ہم نے تو بگاڑ پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

## مشورہ

### (الف) تعارف شاعر:

پروین شاکر ۲۳ نومبر، ۱۹۵۲ء کو پاکستان کے شہر کراچی میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد کا نام سید شاکر حسن تھا۔ ان کا خانوادہ صاحبان علم کا خانوادہ تھا۔ ان کے خاندان میں کئی نامور شعرا اور ادباء پیدا ہوتے۔ جن میں بھار حسین آبادی کی شخصیت بہت بلند و بالا ہے۔ آپ کے نانا حسن عسکری اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے بچپن میں پروین کو کئی شعرا کے کلام سے روشناس کروایا۔ دورانِ تعلیم وہ ارمنی مختلف علمی ادبی پروگراموں میں شرکت کرتی رہیں۔ انگریزی ادب اور زبان دانی میں گریجویشن کیا اور بعد میں انہی مضمائیں میں جامعہ کراچی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ پروین شاکر استاد کی حیثیت سے درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہیں اور پھر بعد میں آپ نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ شاعری میں آپ کو احمد ندیم قاسمی صاحب کی سرپرستی حاصل رہی۔ آپ کا بیشتر کلام ان کے رسائلے "فون" میں شائع ہوتا رہا۔

### اہم تصانیف:

خود کلامی (شعری مجموعہ)

صد برگ (شعری مجموعہ)

خوبصور (شعری مجموعہ)

ماہِ تمام (کلیات)

انکار (شعری مجموعہ)

### (ب) مرکزی خیال:

پروین شاکر خواتین، خصوصاً نوجوان لڑکیوں کی نمائندہ شاعرہ ہیں۔ چنانچہ اس آزاد تظم مشورہ میں بھی وہ قوم کی نوجوان بچیوں کو ایک اہم پیغام دے رہی ہیں۔ موجودہ دور کا ہر انسان اپنی زندگی کے فیصلے کرنے میں مکمل آزاد اور خود مختار ہے اور اس خود مختاری میں انسان کے بعض فیصلے ناتجربہ کاری کا شکار ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ فیصلے زندگی بھر کاروگ بن جاتے ہیں۔

شاعرہ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی قوم کی بچیوں کو نصیحت کر رہی ہیں کہ معاشرہ عورتوں کے معاملے میں بہت حساس ہے لہذا ہماری بچیوں کو چاہیے اپنے خوابوں کو بننے وقت معاشرتی اقدار کو ضرار ملحوظ خاطر رکھیں۔ ورنہ کم سنی میں ہوئی غلطیاں اور کوتاہیاں ناقابل تلافی نقصان کا باعث بن جاتی ہیں۔

سُبْحَانَ رَبِّ الْعَالَمِينَ

## سوال نمبر ۵: طریقہ جواب

مزوزوں طریقہ: خلاصے کا مودا اصل مواد کا تقریباً ایک شہائی ہونا چاہیے۔ اس میں وہ تمام نکات بیان کیے جائیں جن پر کمائی تعمیر ہوئی ہے۔

\* عنوانات قائم نہیں کرنے چاہئیں۔

\* اشعار کا استعمال بالکل نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اشعار لکھنا خلاصے کی روح کے خلاف ہے۔

مصنف کا تعارف: اس عنوان کے تحت مصنف کی ادبی حیثیت، خصوصیاتِ نثر اور چند تصانیف کا ذکر ضرور ہو۔

مثال:

سبق : ما عظمت مصنف : ڈپٹی نزیر احمد

مختصر تعارف: ادبی حیثیت : ڈپٹی نزیر احمد اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ وہ اردو کے اولین ناول نگار ہیں۔ مترجم ہیں، انشاء پرداز ہیں۔

خلاصے میں مواد اتنا ہو جس میں ان تمام اہم نکات کو بیان کیا جائے جن پر قصے کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔

## جوابی خاکہ

(الف) تعارفِ مصنف :

(ب) خلاصہ :

بھارت با سام

# اسپاٹ کا خلاصہ

## بیگم کی بلی

(الف) تعارفِ مصنف :

زیر نظر ڈرامہ "آرام و سکون" سید اقبال علی تاج کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ سید اقبال علی تاج اردو ڈراموں میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے ۱۹۳۲ء میں ڈرامہ "انارکلی" لکھا جو اردو ڈرامہ کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاج ڈرامہ نگاری کے فنی لوازمات سے پوری طرح واقع تھے۔ ان کا ایک اور کردار چھپا چھکن بھی بہت مشہور ہوا۔ انہوں نے افسانے بھی لکھے۔ نیز زنانہ رسالہ "تہذیب النساء" اور بچوں کے ماہنامہ "پھول" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور ریڈیو سے اس زمانے کا مشہور پروگرام "پاکستان ہمارا ہے"۔ ایک درجن سے زائد فلمی کہانیاں لکھیں۔ آخری ایام میں مجلس ترقی ادب لاہور کے سینکڑی مقرر ہوئے۔

یہ اقبال علی تاج صاحب کا ایک مزاحیہ ڈرامہ ہے جس میں ایک صاحب کی کہانی بیان کی گئی ہے جو ان کے گھر میں موجود محلی سے بہت تنگ ہیں لیکن اس بلی کا وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتے کیونکہ وہ بلی ان کی بیگم نے پال رکھی ہے۔ وہ پریشان ہیں کہ کریں تو کیا کریں ادھر بلی نے ان کی ناک میں دم کر رکھا ہے اور ان کے سارے کام بگاڑ دیتی ہے۔ بھی ان کی چیزوں کو الٹ پلٹ کرنا بھی ان کے کمرے میں گندگی پھیلا دینا۔ بلی کی ان حرکتوں سے پریشان ہو کر ایک دن انہوں نے ایسا کیا کہ رات کو جب بیگم صاحبہ سو گئی تو بلی کو اٹھا کر کہیں دور پھینک آئے اور گھر آکر بڑے سکون اور اطمینان سے سو گئے۔ خیال تھا کہ یہ واپس دوبارہ نہیں آئے گی لیکن صبح ان کی اچانک جب آنکھ کھلی تو انہیں پتا چلا کہ بلی کے شور سے ہی ان کی آنکھ کھلی ہے۔ ہوش سنبھالتے ہوئے جب دیکھا تو کھڑکی کے باہر بلی میاں میاں کرتی دکھائی دی۔ صبح کے وقت جلدی میں کچھ اور تو نہ سوچا گھبراہٹ میں اس کے منھ پر کپڑا باندھ کر اسے کوتلے کی کوٹھڑی میں ڈال دیا۔

اتفاق سے اسی دن انہوں نے اپنے گھر کے لیے ضرورت ملازم کا اشتہار دے رکھا تھا جب ایک امیدوار حاضر ہوا تو انہوں نے سوچا کیوں نہ اسی کے ذریعے سے بلی کو مردا دیا جائے اور اسے اس کام کی اجرت دی جائے۔ چنچہ انہوں نے اس امیدوار سے کہا کہ فی الحال ہمیں ملازم کی تو ضرورت نہیں، آپ یہ کام کرو کہ اس بلی کو کہیں دور لے جا کر مار دو اور اس کے بد لے اپنی اجرت لے لو۔ پہلے تو امیدوار نے ہچکا ہٹ ظاہر کی لیکن بعد میں وہ مان گیا مگر جب اس نے اس کام کی اجرت پوچھی تو میاں جی بولے کہ اس کام کے آٹھ آنے ملیں گے جس پر وہ امیدوار پھر گیا اور صاف انکار کر دیا۔ میاں جی

ڈرے ہوئے تھے کہ کمیں بیگم یہاں نہ آ جائیں اور وہ امیدوار ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بولا کہ میں تو اس کام کے پانچ روپے لوں گا۔ ابھی ان دونوں کی تکرار جاری ہی تھی کہ دور سے بیگم کی آواز شوہر کو بلاتی ہوئی سنائی دی۔ میاں جی ڈر گئے اور جلدی سے امیدوار کو پانچ روپے ہی دے کر پچھلے دروازے سے رخصت کیا۔ بیگم آئیں اور بولیں کہ آپ کو میرے صدمے کا کوئی احساس نہیں ہے۔ جب جب اس کی چیزیں دیکھتی ہوں دل دکھتا ہے۔ میاں جی نے رقت آمیز لمحے میں کہا کہ ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ ہماری بُلی ایک قصاب کی دکان کے سامنے پیٹھی تھی کہ اس نے اسے مار دیا اور سڑک پر مری ہوئی بُلی رولس رائس کار کے نیچے آگئی جس سے اس کا قیہ بن گیا، جس آدمی نے یہ خبر دی ہے وہ خود اس کے قیے کو سمیٹ کر زمین دوز کر کے آیا تھا۔ یہ سن کر بیگم دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ میاں جی بیگم کا دل بھلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ دیور یعنی میاں جی کے بھائی گھر میں داخل ہوئے اور بھا بھی کو یوں روتا دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ میاں جی نے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی اور یہ دیکھ کر کہ حالات بگڑتے چلے جا رہے ہیں آخر کار انھیں آخری حربه استعمال کرنا پڑا یعنی "شاپنگ"۔ بیگم کو دس کا نوٹ دے کر رخصت کیا اور بھائی کو ساری صورتحال سنائی کہ کس طرح بُلی نے انھیں تنگ کر رکھا تھا اور کیسے انھوں نے اس امیدوار کو پیسے دے کر اسے مارنے کے لیے بھیجا۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ بھائی جان آپ نے کچھ اچھا نہ کیا۔ اس پر میاں جی بولے کہ بھائی پندرہ روپے میں اس سے اچھا سودا میں نہیں کر سکتا تھا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر سے بُلی کی آواز آئی، بیگم خوشی خوشی گھر میں داخل ہوئیں اور بولیں کہ میں بنگلے سے نکل رہی تھی کہ ایک فرشتہ صفت آدمی دروازے پر ملا اور اس نے میرے غم کامدا کر دیا۔ دیکھو تو بالکل ویسی ہی بُلی میرے لیے ڈھونڈ لایا ہے۔ میاں جی نے گھبراہٹ میں پوچھا کہیں تم نے وہ بُلی لے تو نہ لی اس سے؟ بیگم بولیں کہ ہاں جو دس روپے تم نے دیے تھے اس کی وہ بُلی خریدی ہے اور اسے ملازم بھی رکھ لیا ہے بے چارہ بال بچوں والا ہے۔ یہ سن کر دیور کی ہنسی نکل گئی۔ میاں جی کی نظر اس امیدوار پر پڑی تو اس نے بڑی گرم جوشی سے انھیں سلام کیا اور بولا کہ میاں جی آپ نے تو ٹکا سا جواب دے دیا تھا مگر اللہ خوش رکھے بیگم صاحبہ کو ان کی مہربانی سے آپ کے قدموں میں ہی جگہ مل گئی ہے (میاؤں میاؤں، دیور کی ہنسی)۔

## ذیور کا ڈبا

(الف) تعارفِ مصنف:

مشی پریم چند کا شمار اردو کے اہم ترین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے، اور بھی افسانہ نگار ہیں لیکن افسانہ نگاری کے فن میں جو کمال انہیں حاصل ہے کسی اور کو نہیں۔ پریم چند نے معاشرے کے تلحظات کو بے نقاب کیا۔ ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ سن ۱۹۰۵ء میں اردو کا پہلا افسانہ ”لکھ کر اردو ادب میں افسانہ نگاری کا باقاعدہ آغاز کیا۔ پریم چند نے برطانوی سامراج کے خلاف تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان تحریکوں نے ان کے ادبی شعور پر گھرے اثرات مرتب کیے۔ ان کے مشور افسانے ”بڑے بھائی صاحب، جج اکبر، ذیور کا ڈبا، دودھ کی قیمت، دو بہنیں اور کفن“ ہیں۔

**اہم کردار:**

ویراندر (ٹھاکر صاحب کا بیٹا)	اما دیوی (ٹھاکر اتن)	ٹھاکر صاحب
چمپا (پرکاش کی بیوی)	چندر پرکاش (استاد)	چندر پرکاش

**(ب) خلاصہ:**

چندر پرکاش کے والد اعلیٰ عمدے پر فائز تھے۔ وہ پُرمیڈ تھاکر کے بیوی۔ اے کرتے ہی والد کے توسط سے کوئی اچھی نوکری ضرور مل جائے گی۔ مگر اس سے پہلے کہ اس کا بیوی۔ اے مکمل ہوتا اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کی ماں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ والد کے انتقال سے پرکاش کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ والد نے کوئی جائیداد نہ چھوڑی تھی۔ بیوی ملی تو وہ بھی تعلیم یافتہ اور زبان کی تیز طرار، جس کی ضرورت میں پوری کرنا کم آمدی میں ممکن نہ تھا۔

پرکاش نے تند ہی سے شادی کی تیاری شروع کر دی۔ ٹھاکر صاحب نے اپنے تجربے پر پرکاش کی ڈگری کو ترجیح دی اور شادی کی تیاری کے لیے دس بارہ ہزار اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا مگر جس دن اس نے ٹھاکر صاحب کی بھوکے لیے پانچ ہزار کے زیور بنوائے تو اسے اپنی کم نصیبی کاروگ لگ گیا۔ گھر آ کر چمپا سے بولا کہ ہم تو نوالے نوالے کو ترس رہے ہیں اور دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ہزاروں لاکھوں کے زیورات بنوادا لتے ہیں۔ رات کو سونے کے لیے لیٹا تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ جب چمپا سوگی تو وہ چپکے سے اٹھا اور ٹھاکر صاحب کے گھر سے زیور کا ڈباجرا لایا۔

صحیح ہوئی تو زیور کا ڈباجا نسب پا کر گھر میں کھرام مچ گیا۔ چمپا نے گھبر اپرکاش کا اٹھایا کہ زیور کا ڈباجری ہو گیا ہے۔ وہ انجان بنارہ۔ ٹھاکر صاحب کے گھر جا کر انھیں تسلی دی اور نوکروں کے اوپر خدشہ ظاہر کیا جسے ٹھاکر اتن نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہمیں ان پر مکمل بھروسہ ہے۔ چور یقیناً باہر سے آیا ہے۔ پرکاش نے انھیں یقین دلایا کہ وہ چور کو ڈھونڈ کر ہی رہے گا۔ چھت پر جا کر دیکھا توجہاں پرکاش کا پاؤں پڑا تھا وہاں کا چونا لگ جانے کی وجہ سے چھت پر پاؤں کا نشان پڑ گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ چور باہر سے آیا ہے۔ یہ دیکھ کر ٹھاکر صاحب بالکل ناامید ہو گئے۔ پرکاش نے کہا کہ اس چوری کا ذمہ دار میں خود کو ٹھہراتا ہوں کیوں کہ چور میری چھت سے کوڈ کر آیا تھا، لہذا میں آج ہی یہ گھر چھوڑ دوں گا۔ ٹھاکر صاحب کے اصرار کے باوجود اس نے وہ گھر خالی کر دیا اور دوسری جگہ بیس روپے ماہنہ پر گھر کرانے پر لے لیا جس کا کرایہ ٹھاکر صاحب ادا کرتے

رہے۔ البتہ شادی کے دونوں میں شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں وہ اسی گھر میں رہا۔ بڑی دھوم دھام سے شادی کے معاملات خوش اسلامی سے طے پا گئے۔

پرکاش کے گھر میں ایک صندوق تھا جس کی چابی وہ اپنے پاس رکھنے لگا تھا اور چمپا کو اس سے لا تعلق رکھا گیا تھا۔ جب وہ پوچھتی کہ اس صندوق میں کیا ہے تو وہ کہہ دیتا کہ پرانی کتابیں ہیں ماری پھر رہی تھیں تو اس صندوق میں رکھ دی ہیں۔ ایک دن چمپا کمرے میں داخل ہوئی تو پرکاش وہی صندوق کھولے بیٹھا تھا، چمپا کو دیکھتے ہی جھٹ سے صندوق بند کر دیا جیسے کچھ چھپا رہا ہو۔ چمپا کو کچھ شک ہوا اور اگلے دن چابی بنانے والا گلی سے گزرا تو اس نے اس صندوق کی چابی بنوائی۔ صندوق کھولا تو اندر زیور کا ڈبادیکھ کر حیران رہ گئی۔ فوراً اس کا ذہن اس ڈبے کی طرف گیا جو ٹھاکر صاحب کے گھر سے چوری ہو گیا تھا۔ اس نے سر پکڑ لیا کہ میرا شوہر اس قدر گھٹیا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میں نے بھی کسی چیز کی فرمائش بھی نہیں کی۔ اس دن سے وہ اس رہنے لگی اور پرکاش اس کے دل سے اتر گیا۔ دونوں میاں بیوی کے تعلقات رسمی سے رہ گئے۔

کئی مہینے گزر گئے۔ شہر کے ایک بینک میں اسٹینٹ میسینجر کی جگہ خالی ہوئی۔ پرکاش درخواست دینا چاہتا تھا مگر یہ دیکھ کر مایوس ہو گیا کہ ملازمت کی شرط یہ تھی کہ ضمانت کے دس ہزار روپے جمع کروائے جائیں۔ ایک روز ٹھاکر صاحب نے کہا کہ تم درخواست جمع کراؤ اگر سارے معاملات طے ہو گئے تو ضمانت کی رقم میں ادا کر دوں گا۔ پرکاش نے گھر آ کر چمپا کو یہ خوشخبری سنائی مگر وہ خوش ہونے کے بجائے افسردہ ہو گئی اور اس نے پرکاش کو خوب با تین سنائیں اور اسے اپنے جرم کا احساس دلایا کہ اس نے ایسے شخص کا زیور چرایا ہے جو ہر مشکل وقت میں اس کے کام آتا ہے۔ پرکاش کا ضمیر اسے رہ رہ کر ملامت کرنے لگا۔

پرکاش کو بینک میں ملازمت مل گئی۔ اس خوشی میں اس نے دعوت کا اہتمام کیا اور دوسرے مہماں کے ساتھ ٹھاکر صاحب اور ان کے اہل خانہ کو بھی مد عوکیا۔ کھانے کے بعد اس نے شدید اصرار کر کے ٹھاکر صاحب کو اپنے گھر روک لیا۔ جب سب سو گئے تو وہ زیور کا ڈبائے کر ٹھاکر صاحب کے گھر گیا اور زیور کا ڈبائی کے پلنگ کے نیچے رکھ کر آگیا۔ وہ ویراندر کو پڑھانے شام کے وقت جایا کرتا تھا مگر اس دن وہ بے صبر ہو کر سہ پہر کے وقت ہی پہنچ گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہاں آج کیا گل کھلا ہے۔ ویراندر نے کہا کہ بابو جی کل کی آپ کی دعوت بڑی بابرکت تھی، ہمارا زیور کا ڈبائی مل گیا ہے۔ ٹھاکر صاحب بھی آگئے اور نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ پرکاش نے گھر جا کر یہ خوشخبری چمپا کو سنائی۔ وہ نجانے کیوں رونے لگی، جیسے اس کا پچھڑا ہوا خاوند بست مدت کے بعد واپس آگیا ہو۔

## بابانور

(الف) تعارفِ مصنف:

احمد ندیم قاسمی مختلف اصناف ادب کی تخلیقیں اور تخلیقیں میں مصروف رہے جن میں نظم، غزل، افسانہ، کالم نویسی، بچوں کی کتب، ترجم، تنقید اور ڈرامے وغیرہ شامل ہیں۔

خاندانی نام احمد ندیم، ادبی نام احمد ندیم قاسمی اور تخلص ندیم ہے۔ آپ کے والد پیر غلام نبی اپنے وقت کے اہل اللہ تھے۔ نبی۔ اے کرنے کے بعد ”تہذیب نسوان“ اور ”پھول“ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد بہت سے جرائد میں مدیر کی حیثیت سے کام کیا۔ ”جنگ کراچی“ اور ”امروز“ میں کافی عرصہ ”عطا“ کے قلمی نام سے کالم تحریر کرتے رہے۔ آپ شاعر بھی ہیں اور افسانہ نویس بھی۔ مدیر بھی ہیں اور کالم نویس بھی۔ ہر میدان میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

### (ب) خلاصہ :

یہ کہانی ایک دکھی باپ کی ہے جو اپنے جوان بیٹے کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور کسی قدر ذہنی توازن کھو پیٹھا۔ دس سال ہوئے جب سرکاری چھٹی آئی تھی کہ بابا نور کا بیٹا برمائیں بم کے گولے کا شکار ہو گیا ہے۔ اس دن سے بابا نور پا گل سا ہو گیا ہے۔ جب بھی کوئی پوچھے کہاں جا رہے ہو بابا نور؛ تو جواب ایک ہی ہوتا ہے کہ بس ذرا ڈاک خانے تک جا رہا ہوں کہیں میرے بیٹے کی چھٹی نہ آئی ہو۔ چھوٹے بچے بابا کا مذاق اڑاتے تھے۔

بابا نور کی شخصیت نہایت نفیس اور دردمندانہ تھی۔ سارا بیاس دھلے ہوئے سفید کھدر کا اور سر پر ٹوپی بھی سفید کھدر کی۔ سر اور داڑھی کے بال مکمل سفید تھے۔ گورے رنگ میں زردی نمایاں تھی۔ بیٹے کی جدائی نے بابا کو نہ ہال سا کر دیا تھا۔

حسب معمول آج بھی بابا کو گلی سے گزرتے دیکھ کر ایک بچے نے شرارتاً پوچھا：“بابا نور کہاں جا رہے ہو؟” بابا نے سنجیدگی سے وہی روایتی جواب دیا کہ ڈاک خانے۔ بچے ہنسنے لگے اور ایک صاحب نے بچوں کو سمجھایا کہ ایسی باتوں پر ہنسنے نہیں اللہ کو برا بھی لگ سکتا ہے۔ بابا نور گلیوں سے گزرتا جاتا اور بچے اس کے پیچھے پیچھے ایک جلوس کی شکل میں دوڑتے آتے۔ مگر آس پاس کے نوجوانوں نے آگے بڑھ کر بچوں کو ادھر ادھر بکھیر دیا۔ بابا نور کاؤں سے نکل کر کھیتوں میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک لڑکی گندم کے پودوں کے درمیان بڑی صفائی سے درانتی کی مدد سے گھاس کاٹ رہی تھی۔ اس کی مہارت اور تیزی نے بابا نور کو رکنے پر مجبور کر دیا۔ چار کسان کھیت کی گلڈمی پر بیٹھے حصہ پر رہے تھے۔ بابا نے پوچھا کہ یہ کس کی بیٹی ہے؟ ان میں سے ایک بولا بابا میری ہے۔ بابا نے لڑکی دعا تین دیں اور آگے بڑھ گیا۔ کسانوں میں سے ایک نے بھی وہی سوال کیا کہ بابا کہاں چلے۔ جواب وہی تھا کہ ڈاک خانے جا رہا ہوں شاید کوئی چھٹی آئی ہو۔ بابا نور ابھی کھیت کے کنارے پر پہنچا تھا کہ پیچھے سے لڑکی نے آواز لگائی کہ بابا لسی پیو گے؟ بابا نے کہا بیٹا اگر جلدی سے پلا سکتی ہو تو پلا دوکیوں کے ڈاک کا فرشتی جلدی میں ہوتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے پہنچنے سے پہلے نکل پڑے۔ لڑکی دوڑ کر گئی اور ایک کٹورے میں بابا کو لسی پیش کی۔ لسی پی کر بابا نے لڑکی کو دعادی اور آگے بڑھ گیا۔

درستے کے برآمدے میں ڈاک کا فرشتی روزانہ کے فارم پر کر رہا تھا۔ ساتھ ہی لوگوں کے سامنے کراچی میں مزدوری کرنے کے فضائل بیان کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر دور سے آتے بابا نور پر پڑی اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ باقی لوگ بھی بابا نور کے آنے سے گھبرا سے گئے۔ برآمدے میں پہنچ کر بابا نے فرشتی سے وہی سوال کیا جو وہ روز کیا کرتا تھا۔ یعنی

ڈاک آگئی مشی جی؟ اور مشی نے اسے یقین دلا کیا کہ آج بھی اس کے بیٹے کی پچھی نہیں آتی۔ جواب سن کر بابا بوجھل قدموں کے ساتھ چپ چاپ وہاں سے چل دیا۔ دور تک لوگ دم بخود بیٹھے اسے جاتا دیکھتے رہے۔ مشی کا دل محل گیا اور اس نے کہا: ”خدکی قسم ہے دوستو! اگر آج کے بعد وہ پھر میرے پاس یہی پوچھنے آیا، تو مجھے پاگل کر دے گا۔“

## میدانِ جنگ

(الف) تعارفِ مصنف:

آغا حشر کا شمیری نے اردو ڈرامے کو فرش سے اٹھا کر عرش نشین کیا۔ اردو ڈرامہ نگاری میں ان کا مقام نہایت بلند ہے۔ ان سے قبل اردو ڈرامہ گھٹنوں کے بل چل رہا تھا۔ آغا حشر نے اسے پیروں پر کھڑا ہونا، چلنا اور دوڑنا سکھایا۔ روانی و شوختی، رومانتیت و مثالیت، شعریت و فقرہ بازی جیسی انفرادی خصوصیات ملتی ہیں۔ ان کے ڈراموں کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے وہ ڈرامہ نگاری کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اردو ڈرامہ نگاری کی صد سالہ تاریخ میں جو مقبولیت حشر کے حصے میں آئی وہ کسی اور ڈرامہ نگار کا مقرر نہیں بن سکی۔ انھیں بجا طور پر ”اردو ڈرامے کا شیکپیئر“ کہا گیا۔ ان کے مشور ڈراموں میں ”رسم و سہراب، صید ہوس، یہودی کی لڑکی، بلا“ وغیرہ شامل ہیں۔

پس منظر:

آغا حشر کا شمیری کا معرب کتاب الاراء ڈrama، رسم و سہراب، جس نے حشر کو ڈراما نگاری کی کمال بلندی پر پہنچایا سن میں لکھا گیا۔ یہ ڈrama مشور شاعر فردوسی کے شاہنامے سے مانوذ ہے۔ اس ڈرامے کے تین ابواب ہیں۔ پہلے باب میں چار، دوسرے میں آٹھ اور تیسرا میں چھ مناظر سین ہیں۔ پہلا باب رسم اور سہراب، دوسرا سہراب اور گرد آفرید، اور تیسرا باب رسم اور سہراب کی کہانی پر مشتمل ہے۔

کہانی کا پس منظر یہ ہے کہ ایران اور توران کی دشمنی بہت مشور ہے۔ ایران کا مشور سردار اور پہلوان رسم، شکار کی غرض سے توران کی ریاست سمنگان جا پہنچا، جہاں سپاہیوں نے اس کا گھوڑا چڑایا۔ وہ گھوڑے کی تلاش میں شاہ سمنگان کے دربار پہنچا اور وہاں شاہ کی بیٹی تمہینہ اس کے عشق میں گرفتار ہو گئی۔ اور شاہ سمنگان نے ان دونوں کی شادی کر دی۔ کچھ دن بعد رسم ایران کو رخصت ہوا اور وقتِ رخصت اس نے ایک مہر تمہینہ کو دی کہ اگر تمہارے ہاں بیٹا ہو تو اس مہر کو اس کے ہاتھ پر باندھ دینا۔ جب تمہینہ کا بیٹا سہراب پیدا ہوا تو اس نے اس کے ہاتھ پر مہر باندھ دی مگر اس کو رسم کے پاس نہ بھیجا اس خوف سے کہ کہیں رسم اس کے بیٹے کو اس سے چھین نہ لے۔ اس نے اس کی اخلاقی اور جنگی تربیت اس خوبی سے کی کہ اس کی بہادری اور شجاعت کے قصے مشور ہونے لگے۔ توران کے بادشاہ افراسیاب کو معلوم ہو گیا کہ سہراب، رسم کا بیٹا ہے مگر اس نے کسی پر ظاہرنہ ہونے دیا۔ وہ اسے رسم کے خلاف اپنی جنگ میں استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سہراب کو ایران پر لشکر کشی کا حکم دیا اور فوجی کمان داروں کو سخت ہدایت کی کہ اس راز سے پرده فاش نہ ہونے پائے۔ اور

تمہینہ نے اپنے بیٹے ساری حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اور اب سراب صرف اس لیے ایران پر حملہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے باپ رستم سے مل سکے۔ مگر جنگ میں حالات تیزی سے پلٹا کھایا اور سراب اپنے ہی باپ رستم کے ہاتھوں مارا گیا۔ جب رستم نے سراب کے ہاتھ پر مخصوص مردی کھی تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو قتل کر بیٹھا ہے۔ لیکن پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہ تھا۔ وہ پا گل سا ہو گیا۔

**اہم کردار:**

سراب :- رستم کا فرزند  
افراسیاب :- توران کا بادشاہ

رستم :- ایرانی فوج کا سپہ سالار  
تمہینہ :- سراب کی ماں

### (ب) خلاصہ :

اس ڈرامے کے تیسرا باب کا چھٹا منظر ہماری کتاب میں موجود ہے جو کہ ڈرامے کا آخری منظر ہے۔ سراب، رستم کو شکست دے چکا ہے اور آج صح اسے سزا نے موت دی جانے والی ہے۔ رستم اداں چھرے اور غم گین دل کے ساتھ مایوس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ کر دعا کر رہا ہے کہ اسے پروردگار! میں کل ساری رات تیرے حضور سجدے میں پڑا رہا۔ مجھے مایوس نہ کر۔ میرے ان بوڑھے ہاتھوں کو جوانی کا زور و جوش واپس کر دے۔ صح ہوتے ہی دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ سراب نے کہا کہ آج کا دن تیری موت لے کر آیا ہے لیکن نجا نے کیوں تیری موت کا خیال آتے ہی میری روح کا نپ اٹھتی ہے۔ میں تجھے مارنا نہیں چاہتا، میرے مقابلے میں کسی اور بہادر کو بھیج دے۔ رستم نہ مانا۔

جنگ شروع ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد سراب نے ہاتھ روک لیا اور حیران ہو کر بولا کہ اسے بوڑھے! آج میں تجھ میں نیا ولولہ دیکھ رہا ہوں۔ میں تجھ سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تو مجھے اپنا نام بتا دے۔ رستم نام بتانے پر کسی طور راضی نہ تھا۔ دوبارہ مقابلہ شروع ہوا۔ اس بار رستم سراب کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ سراب درد کی شدت کے مارے زور سے کراہا اور اپنے باپ کو یاد کرنے لگا۔ اس نے رستم کو چنوتی دی کہ تو نے مجھے تو مار دیا ہے مگر میرا باپ رستم تجھ سے میرا (اپنے بیٹے کا) انتقام ضرور لے گا۔ یہ سن کر رستم چونکا اور اس نے جھک کر کرب بھرے لجھے میں سراب سے پوچھا کہ کیا تو رستم کا بیٹا ہے؟ سراب کے ہاں کہنے پر اس نے اس کی ماں کا نام پوچھا تو سراب نے اسے بتایا کہ اس کی ماں کا نام تمہینہ ہے۔ یہ سن کر رستم کی پریشانی اور بڑھ گئی اور اس نے کہا کہ تو جھوٹ بول رہا ہے۔ اگر تیرے پاس اپنی بات کو ثابت کرنے کی دلیل ہے تو پیش کر۔ یہ سن کر سراب اپنے ہاتھ پر بند ہی اپنے باپ کی نشانی دکھائی جس سے رستم یقیناً واقع تھا، اسے دیکھتے ہی رستم نے اپنا سر پیٹ لیا کہ یہ میں نے کیا کر دیا۔ اپنے ہی بیٹے کو اپنے ہاتھ سے مار دیا۔ وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ اس کے رونے پر مرتے ہوئے سراب نے تعجب سے پوچھا کہ دشمن کی موت پر اتنا کیوں روتا ہے؟ رستم نے اسے بتایا کہ وہی اس کا باپ ہے۔ دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کے لگے لگ کر رونے لگے۔ کچھ ہی دیر میں رستم کے ہاتھوں میں سراب کا دم نکل گیا۔ وہ سر پہنچا رہا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

## فاقے کاروزہ

(الف) تعارفِ مصنف :

آپ کا نام علی حسن ہے اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے خاندان سے ہونے کی بناء پر نظامی کہلاتے اور "خواجہ حسن نظامی" کے نام سے شہرت پائی۔ تعلیم معمولی تھی۔ ابتداء میں انباروں میں مضامین لکھے، پھر لغت گوئی اور پند و نصائح تحریر کر کے چھوٹی کے ادیب بن گئے۔ آپ کا طرز تحریر اپنی جگہ ایک منفرد پھیز ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی روانی سے عام بول چال کی زبان میں بڑی باتیں کہ جاتے ہیں۔ آپ کی مشورہ کتابیں غدر دہلی کے افسانے اور بیگناں کے آنسو ہیں۔ آپ کی ادبی عظمت کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ علامہ اقبال نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ "اگر مجھے حسن نظامی جیسی نثر لکھنی آجائے تو میں شاعری کرنا چھوڑ دوں۔"

پس منظر :

یہ ڈراما نظامی صاحب کی مشورہ زمانہ کتاب بیگناں کے آنسو سے مانوذ ہے۔ یہ کتاب ۱۸۵۱ء کے مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد کے واقعات پر مشتمل ہے۔ غدر کے بعد شاہی خاندان کے لوگوں پر کیا گزری وہ اس کتاب میں خواجہ حسن نظامی نے بیان کیا ہے۔ سبق فاقے کاروزہ میں دہلوی راج کے ایک خاندان کا فسانہ بیان کیا گیا ہے کہ غدر سے پہلے ان کے حالات کیسے تھے اور غدر کے بعد انھیں کیا کیا تکالیف اٹھانی پڑیں۔

(ب) خلاصہ :

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے بھائی مرزا سلیم اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ملازمہ انھیں بلا کر زنان خانے میں لے گئی۔ وہاں سے والپسی پر شہزادے کا چہرہ اتر ہوا تھا۔ دوستوں کے استفسار پر بتایا کہ کل عصر کے بعد ایک گویا "تھن خان" کا ناسنا کر ہمیں محفوظ کر رہا تھا۔ والدہ محترمہ اس پر ناراض ہیں اور ہمیں حکم دیا ہے کہ رمضان میں گانے بجانے کو موقوف کیا جائے۔ ہمیں یہ بات پریشان کر رہی ہے کہ رمضان کے بقیہ ماندہ سو لے دن کیسے گزریں گے۔ یہ سن کر شہزادے کے احباب نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ عصر کے بعد کے وقت کو گزارنے کے لیے جامع مسجد تشریف لے جایا کریں وہاں مسلمانوں کی بڑی چھل پہل ہوتی ہے۔ رمضان کی یہ بہار دیکھنے میں یقیناً آپ کو لطف آئے گا۔ مرزا کو مشورہ اچھا لگا اور دوسرے دن اپنے احباب کو لے کر مرزا جامع مسجد پہنچ گئے۔ کہیں قرآن کے دور، کہیں دینی مسائل کی تعلیم، فقہی مسائل پر بحث، الغرض مسجد میں ہر چہار طرف اللہ والوں کا ہجوم تھا۔ مرزا کو وہاں کا پررونق نظارہ بست پسند آیا۔ افطاری کے سینکڑوں دستر خوان آنے لگے۔ ہر امیر کی کوشش تھی کہ اس کے دستر خوان پر زیادہ سے زیادہ روزے دار افطار کریں۔ مرزا کے دل پر اس دینی جذبے نے بہت گہرا اثر ڈالا۔ اب وہ روز جامع مسجد جانے لگے۔ سینکڑوں فقراء کو سحیری اور نصف شب کا کھانا بھیجا جاتا۔ یہ کہانی ہے اس وقت کی جب دلی زندہ تھی۔ پھر یوں ہوا کہ دلی کا برا وقت شروع ہوا اور

غدر کے سبب ہر چیزتہ وبالا ہو گئی۔ مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہزادہ جو اکثر اپنے ماموں کے ساتھ رہتے تھے انہوں نے غدر کا قسم اور تباہی کا فسانہ ان دردناک الفاظ میں سنایا:

جب انگریزوں نے حملہ کیا تو ہر طرف آگ برس پڑی۔ عورتیں بے پردہ ہو کر اپنے وارثوں کی لاشیں دیکھ کر ترپتی رہیں۔ بہادر شاہ ظفر جو سب کی امید تھے، قلعہ چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ میں بھی اپنی بوڑھی والدہ، کم سن بہن اور بیوی کو لے کر چل نکلا۔ ارادہ تو غازی آباد جانے کا تھا مگر وہاں انگریزی فوج کا ڈر تھا لہذا شاہ درہ سے واپس ہو کر قطب صاحب چلے اور وہاں رات گزاری۔ اچھوں نے ہمارا سارا سامان لوٹ لیا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ جان پچی۔ دشوار گزار راستے پر چلنے والے خاص طور پر تین عورتوں کے ساتھ چلنے بہت مشکل تھا جن میں ایک ضعف کا شکار، دوسری بیمار اور تیسری دس برس کی کم سن۔ تکالیف سے گھبرا کر وہ روتی تھیں اور ان کا رونا میرا چین برباد کرتا تھا۔ میں نے عورتوں کا دلاسا دیا اور چلنے کی ہمت بندھائی۔ سامنے ایک گاؤں نظر آیا وہاں کا رخ کیا۔

گاؤں میں ایک دفعہ بھادوں کے مہینے سب کو بخار چڑھا۔ میری اہلیہ اور بہن بھی بیمار ہو گئے۔ گاؤں والوں کو علاج معاجے کی عادت نہ تھی۔ وہ اسی کے بغیر صحت یاب ہو جایا کرتے تھے مگر ہمیں بہت تکلیف ہوئی۔ اس پر مزید یہ کہ اسی دوران ایک دن ایسی بارش ہوئی کہ جنگل کا نالا چڑھ گیا اور گاؤں میں کمر تک پانی بھر آیا۔ بڑی مشکل سے چھپر کی بلیوں میں دو چار پانیاں اڑا کر عورتوں کو ان پر بٹھایا۔ پانی تو کچھ دیر میں اتر گیا مگر انماج اور تمام بستر گلیے کر گیا۔ اب ہمیں کھانے کی نہر تھی، گاؤں والوں سے مانگتے شرم آتی تھی کیوں کہ وہ بھی ہماری طرح اس مصیبت میں گرفتار تھے۔ تاہم بے چارے چوہدری نے خود خیال کیا اور ایک روپے کا آٹا منگوادیا جس سے ہمارا گزارہ ہوا۔ ابھی نصف آٹا باقی تھا کہ رمضان کا چاند نظر آیا۔ چار پانچ دن تو رمضان کے گزر گئے مگر اس کے بعد آٹا ختم ہونے کی وجہ سے بہت مشکل پیش آئی۔ معصوم کم سن بہن پر بھوک کے مارے غشی طاری تھی اسے کسی طرح چارپائی پر لٹا کر سلا دیا۔ سحری میں والدہ نے خوب گڑ گڑا کر اللہ کی بارگاہ میں دہائی دی۔ اگلا دن بھی ایسے ہی گزر گیا اور فاقہ میں روزے پر روزہ رکھا۔ شام کے وقت چوہدری کا آدمی دو دھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا آج ہمارے ہاں نیاز تھی یہ اس کا لکھانا ہے، اور ساتھ میں پانچ روپے زکوٰۃ کے دے گیا۔ ان پانچ روپوں کو دیکھ کر جان میں جان آئی۔ خوشی خوشی والدہ کو سارا ماجرہ سنایا جسے سن کرو والدہ کا چہرہ بیگڑ گیا اور فاقہ اور کمزوری کے باوجود پوری غصے کے ساتھ مجھے گھر کا: تُف ہوتیری غیرت پر، خیرات اور زکوٰۃ لے کر آگیا اور خوش ہوتا ہے۔ اسے اس سے تو مرجانا بہتر تھا۔ والدہ کی باتیں سن کر میں بہت شرمند ہوا۔ چاہا کہ یہ چیزیں واپس کر آؤں مگر والدہ نے منع کیا۔

چھ مہینے گاؤں میں رہے اور پھر دبلي آگئے۔ یہاں آ کر والدہ کا انتقال ہو گیا، بہن کی شادی کر دی۔ انگریزی سرکار نے میری بھی پانچ روپے ماہانہ پیش مقرر کر دی ہے۔ آج کل اسی پر انحصار ہے۔

لهم إني  
أعوذ بِكَ مِنْ أَنْ يَأْتِيَنِي  
مَا لَمْ يُحِلْ لِجَنَاحِي

# شعری اصطلاحات

(۱) مصرع :

نصرے کے لغوی معنی ہیں "کواڑا"، یعنی دروازے کا ایک پٹ۔ شعر کی ایک سطر مصرع کہلاتی ہے۔ ایک شعر میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔ دو پٹ مل کر ایک دروازہ بنتا ہے اسی طرح دو مصرعے مل کر ایک شعر بنتا ہے۔

مثال :

- ۔ پیوستہ رہ شجر سے امید بھار رکھ
- ۔ گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
- ۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رپیدا
- ۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی

(۲) شعر :

لفظ شعر "شور" سے لیا گیا ہے۔ دراصل شعروہ موزوں کلام ہے جو شاعر نے قصد کیا ہوا اور خیالات و جذبات کے اظہار کے لیے مناسب الفاظ سے آراستہ ہو۔ شعر دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۳) ردیف :

ردیف کے لغوی معنی ہیں گھر سوار کے پیچے بیٹھنے والا۔

شعری اصطلاح میں ردیف سے مراد وہ لفظ یا الفاظ کا مجموعہ ہے جو غزل یا تظم کے ہر شعر کے آخر میں قافیہ کے بعد مکرر آئیں اور بالکل یکساں ہوں۔

مثال (۱) :

جذبہ شوق کدھر کو لئے جاتا ہے مجھے  
پرودہ راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

اس شعر میں "ہے مجھے" ردیف ہے کیونکہ یہ قافیہ کے بعد دھرایا جا رہا ہے اور متبدیل نہیں ہو رہا۔

مثال (۲) :

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے

آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اس شعر میں "کیا ہے" "ردیف" ہے۔

مثال (۳) (قافیہ) :

قافیہ کے لغوی معنی ہیں ہم آواز الفاظ۔

شعری اصطلاح میں قافیہ سے مراد وہ ہم آواز الفاظ ہیں جو غزل یا نظم کے ہر شعر کے آخر میں ردیف سے پہلے استعمال ہوں۔ غزل کے مطلع میں دونوں مصراعوں میں قافیہ ہوتا ہے اور باقی اشعار کے مصرعہ ثانی میں قافیہ پایا جاتا ہے۔

مثال (۱) :

جن بہ شوق کدھر کو لئے جاتا ہے مجھے

پر دہ راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

اس شعر میں جاتا اور پکارا قافیہ ہیں۔

مثال (۲) :

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے

آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اس شعر میں ہوا اور دوا قافیہ ہیں۔

صنعت تضاد :

اس صنعت کو صنعت تقابُل بھی کہتے ہیں۔ صنعت تضاد شاعری میں اس صفت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ایک شعر میں دو یادو سے زائد ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو اپنے مضوم کے لحاظ سے ایک دوسرے کی صندھوں تو یہ خوبی صفت تضاد کہلاتی ہے۔ مثلاً : زمین اور آسمان اندھیرا اور جلال۔

مثال (۱) :

صح ہوتی ہے شام ہوتی ہے

عمر یونہی تمام ہوتی ہے

اس شعر میں صح اور شام متنبہ الفاظ ہیں اس لئے اس شعر میں صنعت تضاد استعمال کی گئی ہے۔

مثال (۲) :

پھول محبت کے مشکل ہیں  
کا نئے ہیں آسان سفر پر  
اس شعر میں پھول و کا نئے اور مشکل و آسان آپس میں متنضاد الفاظ ہیں۔

مطلع :

مطلع لفظ طلوع سے تعلق رکھتا ہے جس کے لغوی معنی ہیں "طلوع ہونے کی وجہ"۔  
شعری اصطلاح میں غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔ جس طرح سورج کے طلوع ہونے سے دن کا آغاز ہوتا ہے بالکل اسی طرح مطلع سے غزل کا آغاز ہوتا ہے۔ عام طور پر مطلع کے دونوں مصرے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات غزل کے دوسرے شعر میں بھی یہی خوبیاں ہوتی ہیں اسے "حسن مطلع" کہتے ہیں۔

مثال (۱) :

ہے غلط گرگمان میں کچھ ہے  
تجھ سوا بھی جہاں میں کچھ ہے؟

مثال (۲) :

دل ناداں تجھے ہو اکیا ہے  
آخر اس درد کی دو اکیا ہے

مقطع :

مقطع کا لفظ قطع سے تعلق رکھتا ہے جس کے معنی توڑنا یا کاٹنا کے ہیں۔

شعری اصطلاح میں غزل کے آخری شعر کو مقطع کہا جاتا ہے۔ چونکہ مقطع پر غزل کا اختتم ہوتا ہے اسی وجہ سے اسے مقطع کہا جاتا ہے۔ مقطع میں عام طور پر شاعر اپنا شعری نام بھی استعمال کرتا ہے جسے تخلص کہا جاتا ہے۔

مثال (۱) :

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب  
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

مثال (۲) :

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر

غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

### (۸) صفتِ تلمیح:

تلمیح کے لغوی معنی ہیں اشارہ کرنا۔

شعری اصطلاح میں تلمیح سے مراد ہے کہ کلام کے دوران کسی تاریخی، سیاسی، اخلاقی یا مذہبی واقعہ یا قرآنی آیت کی طرف اشارہ کیا جائے۔ تلمیح کے استعمال سے شعر کے معنوں میں وسعت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ مطالعہ شعر کے بعد پورا واقعہ قاری کے ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے۔

### مثال (۱):

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک ساجواب  
آؤ ناہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ اس خواہش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تخلیٰ ظاہر کی جس کی تاب نہ لاتے ہوئے آپ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے اور کوہ طور جل کر سیاہ ہو گیا۔

### مثال (۲):

بے خطر کو دپڑا آتشِ نمرود میں عشق  
عقل ہے محِّتماشاً لبِ با م ابھی

مندرجہ بالا شعر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ بادشاہ نمرود آپ علیہ السلام کو آگ میں جلا دینے کی دھمکی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے آگے سجدہ کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے کے بجائے آگ میں کو دپڑتے ہیں اور یہ آگ آپ علیہ السلام کے لئے گلشن بن جاتی ہے۔

### (۹) صفتِ مبالغہ:

مبالغہ کے لغوی معنی ہیں حد سے بڑھنا۔

شعری اصطلاح میں مبالغہ اس صفت کا نام ہے جس کے ذریعے کسی بات کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے۔ اگر مبالغہ صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو شعر کا حسن نکھر جاتا ہے۔

### مثال (۱):

یعنی تو بوجھا کا دیکھا ہے برستے تم نے؟

اسی انداز سے تھی اشک فشانی اس کی

اس شعر میں میر نے رونے کو بارش کے مثال قرار دینے کے لئے مبالغہ استعمال کیا گیا ہے جو درحقیقت ناممکن ہے۔

مثال (۲) :

کل رات بھر یار میں رویا میں اس قدر  
چوتھے فلک پہ پہنچا تھا پانی کمر کمر

اس شعر میں شاعر نے آنسوؤں کے لئے مبالغہ استعمال کیا ہے اور ایسی بات بیان کی ہے جو حقیقاً ناممکن نہیں۔

(۱۰) تشبیہ :

تشبیہ کا تعلق لفظ مشابہت سے ہے جس کے معنی ہیں کسی خصوصیت میں ایک جیسا ہونا۔ اصطلاح میں تشبیہ سے مراد ہے کہ دو مختلف چیزوں کو کسی مشترکہ صفت کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مانند قرار دیا جاتے۔ اس سے کلام میں حسن، جدت اور نکاح پیدا ہو جاتا ہے۔

ارکانِ تشبیہ :

ارکین تشبیہ درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ **مشتبہ :** جس شے یا شخص کو تشبیہ دی جائے اسے "مشتبہ" کہتے ہیں۔
- ۲۔ **مشتبہہ :** جس شے یا شخص سے تشبیہ دی جائے اسے "مشتبہہ" کہتے ہیں۔
- ۳۔ **حروف تشبیہ :** تشبیہ دینے کے لئے جو حرف استعمال ہوتا ہے وہ "حروف تشبیہ" کہلاتا ہیں۔
- ۴۔ **وجہ تشبیہ :** مشترک خوبی جو دونوں میں موجود ہو، یعنی جس کی وجہ سے تشبیہ دی جا رہی ہو اسے وجہ تشبیہ یا وجہ شبہ کہتے ہیں۔

مثال (۱) :

مندرجہ ذیل شعر میں آنسو کو دریا سے تشبیہ دی ہے۔ ۔

امڈی آتی ہیں آج یوں آنکھیں  
جیسے دریا کمیں محلتے ہیں

اس شعر کے ارکانِ تشبیہ یہ ہیں۔

مشتبہ : آنسو، مشتبہہ : دریا، حروف تشبیہ : جیسے، وجہ تشبیہ : زیادتی بہاؤ۔

مثال (۲) :

نازکی اس کی لب کی کیا کیسی

پنچھری اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں میر محبوب کے ہونٹوں کو گلاب کی پنچھری سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ ارکان تشبیہ یہ ہیں :

مشبه : محبوب کالب، مشتبہ : گلاب کی پنچھری،

وجہ تشبیہ : نازکی، گلابی رنگت۔

(۱۱) استعارہ :

استعارہ کے لغوی معنی ہیں ادھار لینا۔ شعری اصطلاح میں استعارہ وہ صفت ہے جس کے تحت کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنوں سے ہٹ کر کسی اور شے سے مشابہت کی وجہ سے اس کے مجازی معنوں میں استعمال کیا جائے۔ جیسے بچے کو چاند یا بہادر شخص کو شیر کہہ دینا۔

اجزائے استعارہ :

استعارہ کے اجزاء درج ذیل ہیں۔

۱۔ مستعارلہ : وہ شخص یا چیز جس کے لیے کوئی لفظ مستعار (ادھار) لیا جائے۔

۲۔ مستعارمنہ : وہ شخص یا چیز جسے مستعار (ادھار) لیا گیا ہو۔

۳۔ وجہ استعارہ : وہ مشترک خوبی جو مستعارلہ اور مستعارمنہ دونوں میں پائی جاتی ہو۔

مثال (۱) :

## حارت باسم

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا

شاید کہ مرا حال اسے یاد نہ آیا

اس شعر میں صیاد اپنے حقیقی معنوں سے ہٹ کر استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد محبوب ہے، محبوب کے لیے صیاد کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس شعر کے اجزائے استعارہ یہ ہیں :

مستعارلہ : ظلم و ستم      وجہ استعارہ : صیاد،      مستعارمنہ : محبوب،

مثال (۲) :

مرے خورشید کمیں تو بھی اٹھا اپنی نقاب

بہ نظارہ ترپتی ہے نگاہ بنتا ب

اس شعر کے پہلے مصروعے میں استعارہ استعمال کیا گیا ہے اور محبوب کے لئے خورشید (سورج) کا لفظ استعمال ہوا

ہے۔

### (۱۲) حسن تعلیل:

تعلیل کے لفظی معنی ہیں وجہ متعین کرنا یا وجد بیان کرنا۔

اصطلاح میں حسن تعلیل سے مراد یہ ہے کہ کسی بات کی ایسی وجہ بیان کی جائے جو کہ حقیقت میں اس کی وجہ نہ ہو۔

لیکن وہ غیر اصل وجہ اس خوبی سے بیان کی جائے وہ اصل وجہ کے مقابلے میں زیادہ دل کش اور پُر لطف معلوم ہو۔

مثال:

پیاسی تھی جو سپاہِ خدا تین رات کی  
ساحل سے سر ٹپکتی تھیں موجیں فرات کی

ساحل سے موجوں کا ٹکرانا ایک فطری عمل ہے لیکن شاعر نے یہ علت بیان کی ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے جان نثار مجاهد تین دن سے پیاسے تھے۔ ان کے غم اور اُن تک نہ پہنچنے کی شرم سے نہ فرات کی موجیں ساحل سے ٹکرا رہی ہیں۔

مثال:

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں  
خاک میں کیا صور تین ہوں گی کہ پنهان ہو گئیں

اس شعر میں پھول نکلنے کی وجہ خوبصورت انسان کا زمین میں دفن ہونا بتایا گیا ہے جو کہ یقیناً خلاف حقیقت ہے۔

(۱۳)

تکرار یا تکریر ایسی صنعت کو کہتے ہیں جس میں ایک ہی لفظ کے بار بار استعمال سے شعر میں خوبی پیدا کی جاتے۔

مثال:

پتھر کو گوہر کہہ کر بدتر کو بہتر کہہ کہہ کر  
ہم نے ماحول بگاڑا ہے رہزان کو رہبر کہہ کہہ کر

مثال:

چنان وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر  
اور اٹھنا آسمان کی طرف جھوم جھوم کر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# سوالات و جوابات

## قومی اتفاق

**سوال :** پرانے زمانے میں لفظ قوم سے کیا مرادی جاتی تھی؟

**جواب :** پرانے زمانے میں لفظ قوم سے مراد کسی خاص نسل سے ہونا یا کسی خاص ملک کا باشندہ ہونا سمجھا جاتا تھا۔

**سوال :** اسلام نے تفرقہ قومی کو مٹا کر کون سارشتہ قائم کیا ہے؟

**جواب :** اسلام نے قومی فرق کو مٹا کر ایک روحانی رشتہ قائم کیا۔ اور دنیا کے تمام انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا؛ ایک وہ جو اللہ کو مانتے ہیں اور دوسرے وہ جو خدا کے منکر ہیں۔

**سوال :** سر سید کے نزدیک قومی ترقی کا اولین مرحلہ کیا ہے؟

**جواب :** سر سید کے نزدیک قومی ترقی کا اولین مرحلہ یہ ہے کہ قوم کے تمام افراد متعدد ہوں۔ قومی اتحاد و اتفاق کے بغیر قومی ترقی کسی صورت ممکن نہیں۔

**سوال :** یخانی و یبھتی سے سر سید کی کیا مراد ہے؟

**جواب :** یخانی اور یبھتی سے سر سید کی مراد یہ ہے کہ ایک قوم کے افراد چاہے مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے ہوں لیکن ان کے درمیان ذہنی ہم آہنگی کا ہونانا ہیت ضروری ہے۔

**سوال :** مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب کیا ہے؟

**جواب :** مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمان ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں اور اسلامی قومیت کو بھلا بیٹھیے ہیں۔ ہر شخص قومی مفادات کو پس پشت ڈال کر ذاتی مفادات کے چکر میں پڑا ہے۔

**سوال :**

**جواب :** سر سید کے مطابق قومی اتحاد ایک ہی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے قومی اتفاق۔ یعنی قوم کا ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کو اہم سمجھنے کے بجائے قوم کے وسیع تر مفاد کو ترجیح دے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا ساتھی بننے اور آپس میں بھائی چارے اور پیار محبت کے رشتہوں کو استوار کرے۔

**سوال :** قومی ہمدردی کے کیا فائدے ہیں؟

**جواب :** قومی ہمدردی کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

- آپ کی رنجشیں مٹتی ہیں
- قومی ترقی میں تیزی آتی ہے
- غذا کے حکم کی اطاعت ہوتی ہے
- قوم کی قوت و طاقت میں اضافہ ہوتا ہے

سوال : شخصی اتفاق اور قومی اتفاق میں کیا فرق ہے؟

جواب : شخصی اتفاق کا مطلب ہے کہ چند اشخاص کسی معاملے پر آپس میں ایک دوسرے سے متفق ہوں، جبکہ قومی اتفاق کا مطلب ہے کہ کسی قوم کے تمام افراد کسی معاملے متفق ہوں۔

## زبان گویا

سوال : اس سبق کے آغاز میں زبان کے لیے کون کون سے الفاظ و تراکیب استعمال ہوتے ہیں؟

جواب : اس مضمون کے آغاز میں زبان کے لیے درج ذیل الفاظ و تراکیب استعمال ہوتے ہیں:

بلبل ہزار داستان	طو طی شیوا بیان	درخت کی ٹہنی	قادص
چمن کا پودا	وکیل		

سوال : بچپن میں زبان کا کیا کردار بیان کیا گیا ہے؟

جواب : بچپن میں زبان کا ملا جلا کردار بیان کیا گیا ہے۔ انسان جب بونا شروع کرتا ہے تو وہ ادھورے الفاظ بولتا ہے جو کہ بعض اوقات بہت پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ بچپن تلاکر بولتا ہے اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو محفوظ کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اپنی شرارتوں کے ذریعے ماں باپ کا دل بھی دکھاتا ہے۔

سوال : کن باتوں سے زبان کی خصوصیات کو نقصان پہنچتا ہے؟

جواب : زبان کے ذریعے انجام دی والی تمام وہ عادات و اطوار جن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے، ان سے زبان کی خصوصیات کو نقصان پہنچتا ہے۔ جیسے کہ جھوٹ، غیبت، تہمت، چغلی اور غیر ضروری اور فضولیات وغیرہ۔

سوال : حالی نے زبان کی طاقت کو نمونہ قدرت الٰی کیوں کہا ہے؟

جواب : دراصل اللہ کے بنی ﷺ نے زبان کی طاقت کو بہت اہم قرار دیا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص زبان اور شرمنگاہ کی حفاظت کرے تو اسے جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔ حالی کہتے ہیں کہ زبان بظاہر تو گوشت کا

ایک لوگھڑا ہے لیکن دراصل یہ انسان کی شخصیت کی مکمل عکاس ہے۔

سوال : زبان کو منصب اور خدمت کے لحاظ سے کن صفات کا حامل قرار دیا گیا ہے؟

جواب : زبان کو منصب اور خدمت کے لحاظ سے درج ذیل صفات کا حامل قرار دیا گیا ہے :

- اس کے ذریعے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانی جائے

- اس کے ذریعے لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کی جائیں

- اس کے ذریعے دکھے دلوں کو درمان کیا جائے

- بے وقت اور بے محل استعمال نہ کیا جائے

سوال : زبان کے بہتر استعمال کے حوالے سے مصنف نے کیا دعا کی ہے؟

جواب : مصنف نے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! تو نے ہمیں بولنے کی آزادی دی تو ہمیں زبان سے ہمیشہ سچ بولنے کی توفیق عطا فرم۔ جب تک ہم زندہ ہیں سچے کہلانیں اور تیرے پاس بھی سچے بن کر آئیں۔ آمین!

### فاقہ کارروزہ

سوال : نتھن خان کے گانے سے آتا کرام حضرت نے کیا حکم صادر فرمایا؟

جواب : نتھن خان کے گانے سے آتا کرام حضور نے حکم صادر فرمایا کہ جب تک رمضان کی بابرکت ساعتیں چل رہی ہیں تب تک محل میں گانا، جانا بالکل بند رہے گا۔

سوال : مصاحب نے مرزا صاحب کو کیا مشورہ دیا؟

جواب : مصاحب نے مرزا صاحب کی پریشانی کو بجا نپٹتے ہوئے انھیں یہ مشورہ دیا کہ آپ افطار کے وقت جامع مسجد تشریف لے جائیں۔ طرح طرح کی عبادتوں میں مصروف لوگوں کو اور ان کے مذہبی جوش کو دیکھ کر آپ کا دل بھل جائے گا۔

سوال : گُل جَدِيدِ لَذِيْد سے کیا مراد ہے؟

جواب : یہ عربی کا مقولہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نئی چیز دلکش اور خوشنما نظر آتی ہے۔

سوال :

جواب : رمضان میں افطاری کے وقت مسجد کا منظر نہایت دلکش و دلفریب تھا۔ شہر کے مختلف امراء اور رؤسائی طرف سے بیجھے گئے بیسیوں طرح کے دسترخوان بیجھے تھے۔

**سوال :** مرزا صاحب کو کیا بات اچھی لگی کہ وہ باقاعدہ مسجد آنے لگے؟

**جواب :** مسجد کے روحانیت بھر سے ماحول نے مرزا کو متاثر کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کہیں لوگ ایک دوسرے کو قرآن سننا رہے ہیں، کہیں وینی مسائل بیان ہو رہے ہیں، کہیں فقہی بحث ہو رہی ہے تو وہ اپنے آپ کو روک نہ سکے۔ اس کے علاوہ روزے داروں کے لیے بھیجے گئے امراء کے دستِ خوانوں نے مرزا کی طبیعت پر گمراہ اثر ڈالا۔

**سوال :** غدر کی تباہی کے شاہی خاندان پر اثرات بیان کیجیے۔

**جواب :** غدر کی تباہی نے سب سے زیادہ شاہی خاندان کو متاثر کیا۔ بادشاہ کو گرفتار کرایا گیا۔ شہزادوں کو قتل کیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں ہوتیں۔ شاہی خاندان کی عورتیں درد بد رکی ٹھوکریں کھانے اور ماماگیری کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ الغرض مسلمانوں کی شان و شوکت مکمل طور پر ختم ہو کر رہ گئی۔

## تخلیق کا نتات

**سوال :** زمین سے نکلنے والے خزانوں میں پترولیم کی کیا اہمیت ہے؟

**جواب :** زمین سے بے شمار معدنیات حاصل کی جاتی ہیں۔ پترولیم ان تمام معدنیات میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی اہمیت کے لیے صرف یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ آج دنیا میں جتنے بھی ذرائع نقل و حمل استعمال کیے جاتے ہیں ان کا بھر پورا درود اپنے پترولیم پر ہی ہے۔

**سوال :** پترولیم قدیم ایجاد ہے۔ دو ہوائے دے کر ثابت کیجیے۔

**جواب :** یقیناً پترولیم کوئی جدید شے نہیں ہے۔ اس کی قدامت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انجلی میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس کے علاوہ قدیم مورخ ہیر و ڈوڈس نے بابل کے قریب ایک چشمے کا ذکر کیا۔ قدیم جاپانی اور چینی کتابوں میں اس کے مذکورے ملتے ہیں۔

**سوال :** قدیم دور میں پڑوں کس کس طرح استعمال کیا جاتا تھا؟

**جواب :** قدیم زمانے میں پڑوں کو جلانے کے علاوہ ان مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا:

- زخموں کے علاج کے لیے
- دو ابنا نے کے لیے
- کشتوں کو پانی کے اثر سے محفوظ رکھنے کے لیے

سوال : رسمی چٹانیں کیا ہیں؟ اور یہ کیسے وجود میں آتی ہیں؟

جواب : سنگ مرمر، ریتیلے پتھر، چونا پتھر اور دوسرا انواع و اقسام کے کے تہ بہتے جمع ہوتے جو پتھر ہمیں نظر آتے ہیں انھیں رسمی چٹانیں کہا جاتا ہے۔ یہ سمندر کی تہ میں لاکھوں سال کے عمل سے تیار ہوتی ہیں۔

سوال : موجودہ دور میں پڑولیم کی کیا اہمیت ہے اور اس کے کیا کیا استعمالات ہیں؟

جواب : اگر یوں کہا جائے کہ موجودہ دور کی معیشت پڑولیم کے وجود پر ہی موقوف ہے تو یہ بے جا نہ ہو گا۔ پڑولیم تمام معدنیات میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی اہمیت کے لیے صرف یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ آج دنیا میں جتنے بھی ذرائع نقل و حمل استعمال کیے جاتے ہیں ان کا بھرپور دارود ار پڑولیم پر ہی ہے۔

### کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں

سوال : اردو زبان کی ترقی میں پہلے پہل کن لوگوں نے حصہ لیا؟

جواب : اردو زبان کی ترقی میں سب پہلے علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے حصہ لیا۔ اسے دین کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔ اپنی تصانیف و تالیفات کے لیے اسے اختیار کیا۔

سوال : اردو سے پہلے بر صغیر پاک و ہند میں فارسی زبان کا کیا مقام تھا؟

جواب : اردو سے پہلے فارسی ہندوستان کی سرکاری و دفتری زبان تھی اور یہی علمی و ادبی زبان سمجھی جاتی تھی۔ فارسی زبان اتنی عام تھی کہ لوگوں کے گھروں میں بولی جاتی تھی۔ لوگ اس زبان میں شاعری کیا کرتے تھے اور اپنے دیوان مرتب کرتے تھے۔

سوال : فارسی کے اثر و اقدار نے اردو پر کیا اثرات ڈالے؟

جواب : فارسی کے اثر و اقدار نے اردو زبان پر منفی اثرات ڈالے۔ اردو کی ترقی میں ایک عرصہ دراز تک فارسی زبان رکاوٹ رہی اور اسے صرف روزمرہ کے کاروبار اور معمولی کاموں تک محدود کر دیا۔

سوال : اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے سلسلے میں ہمارے مجانِ قوم کی ایک طبقہ کیا کہتا ہے؟

جواب : ہمارے وطن کے کچھ مجانِ وطن کا خیال یہ ہے کہ اردو ابھی اس لائق نہیں کہ اسے ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔ اس میں فنی اور علمی اصطلاحات کی کمی ہے۔ خاص طور پر سائنس تواردوں میں پڑھنا ممکن ہی نہیں۔ ہماری رائے میں یہ خیال نزدی خام خیالی ہے۔ ذہنی پستی اور احساس کم تری کے سوا کچھ نہیں۔

**سوال :** اردو زبان اپنی کون سی خوبی کی بنا پر جدید علوم و فنون کی تدریس کا فریضہ بخوبی انجام دے سکتی ہے؟

**جواب :** اردو زبان میں دوسری زبانوں کے الفاظ، یا یوں کہیے کہ نئے الفاظ قبول کرنے کی اعلیٰ صلاحیت ہے۔ دوسری زبانوں کے الفاظ و اصطلاحات نہایت آسانی سے اس کا حصہ بن سکتے ہیں۔ اس لیے اگر اسے ذریعہ تعلیم بنایا جائے تو یہ زبان یہ فریضہ بخوبی انجام دے سکتی ہے۔

**سوال :** علمی اصطلاحات کا رواج کیسے ہوتا ہے؟

**جواب :** علمی اصطلاحات علمی ترقی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب جب کہیں علمی ترقی ہوگی وہاں اس علم کی اصطلاحات کا رواج ہوگا۔ جماں سائنسی علوم کی ترقی ہوگی وہاں سائنسی اصطلاحات رائج ہوں گی، اسی طرح جماں فلسفہ یا کوئی اور علم ترقی کرے گا تو وہاں اس کی اصطلاحات رائج ہوں گی۔

**سوال :** قومی زبان کے نفاذ کا مسئلہ کس طرح حل ہو سکتا ہے؟

**جواب :** قومی زبان کے نفاذ کا مسئلہ نہایت آسانی سے حل ہو سکتا ہے، بس اپنی زبان کی اہمیت اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی نہ کسی کو یہ قدم اٹھانا پڑے گا کہ ایک تحریک چلانی جائے جو لوگوں کے دلوں میں زبان کی اہمیت جگائے اور اس کے نفاذ کی کوشش کرے۔ اساتذہ و طلباء، ارباب اختیار و اقتدار اور مساجد کے علماء اس کے لیے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ فی۔ وی پر مختلف طرح کے پروگرام کر کے لوگوں کی تربیت کی جاسکتی ہے۔

**سوال :** اردو میں سائنس کی تعلیم و تدریس سے سائنسی میدان میں ترقی ممکن ہے۔ اپنی رائے دیجیے۔

**جواب :** علم نفیسات کے مطابق جب انسان اپنی مادری زبان سے ہٹ کر بات کرتا ہے تو اس کے تاثرات تیس فیصد تک کم ہو جاتے ہیں اور اظہار مافی الضمیر میں واضح کمی آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم غیر ملکی زبانوں میں سائنس کی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو علم میں رسوخ اور پہنچ ممکن نہیں۔ اگر یہی کام اردو زبان میں کیا جائے تو علم رائج حاصل کیا جاسکتا ہے اور سائنس کے میدان خوب خوب ترقی کی جاسکتی ہے۔

## سندھی شاعری کے تراجم

**سوال :** فن ترجمہ نگاری کسے کہتے ہیں؟

**جواب :** کسی زبان کی تحریر یا کتاب کو دوسری زبان میں منتقل کرنا فن ترجمہ نگاری کہلاتا ہے۔

**سوال :** اچھے مترجم میں کیا کیا خوبیاں ہوئی چاہیں؟

جواب : اچھے مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس زبان کا ترجمہ کر رہا ہے ، اور جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے ، دونوں زبانوں پر عبور رکھتا ہو۔ جس کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے اس کے پس منظر ، مصنف کے مزاج اور زمانہ اشاعت سے واقعیت ہے۔

سوال : سندھی زبان کے منظوم ترجموں کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

جواب : سندھی زبان کے منظوم ترجم کا سلسلہ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کے ترجمے سے شروع ہوا۔

سوال : "شاہ جو رسالو" کا اولین منظوم ترجمہ کس نے کیا؟

جواب : "شاہ جو رسالو" کا سب سے پہلے منظوم ترجمہ ہالاکے مولوی ہدایت اللہ مرحوم نے کیا۔ یہ ترجمہ فارسی زبان میں کیا گیا۔

سوال : مولانا رومی کون تھے اور شاہ عبداللطیف سے ان کا کیا تعلق تھا؟

جواب : مولانا رومی ایک مشور صوفی بزرگ تھے جو اپنی شاہ کار شنوی المعروف "شنوی مولانا روم" کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ شاہ لطیف مولانا رومی کے عقیدت مند تھے اور ان کا کلام ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ شاہ لطیف کے اشعار میں مولانا رومی کی تعلیمات کا رنگ بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

سوال : شاہ کے کلام کا جو ترجمہ مسزا ایسا قاضی نے کیا وہ کیوں منفرد ہے؟

جواب : شاہ کے کلام کا جو ترجمہ مسزا ایسا قاضی نے کیا ہے وہ یوں منفرد ہے کہ اس میں نہ صرف وزن بلکہ قافیہ میں بھی اصل شاعری کی پیروی کی گئی ہے۔

## زیور کا ڈبایا

سوال : چندر پر کاش نے عملی زندگی کا آغاز کس طرح کیا؟

جواب : چندر پر کاش نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ٹیوشن پڑھانے سے کیا۔ وہ ٹھاکر صاحب کے بیٹے ویراندر کو ماہانہ تیس روپے کے عوض ٹیوشن پڑھایا کرتا تھا۔

سوال : کس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھاکر صاحب چندر پر کاش پر اعتماد کرتے تھے؟

جواب : جب ٹھاکر صاحب کے بیٹے ویرو کی شادی کی بات ہوئی تو ٹھاکر صاحب نے شاری کی ساری تیاری پر کاش کے سپرد کی اور دس بارہ ہزار اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ یہ بھی نہ پوچھا کہ کہاں اور کیسے خرچ کرو گے۔ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھاکر صاحب چندر پر کاش پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔

سوال : چندر پر کاش کے ذہن میں بے ایمانی کا خیال کیسے آیا؟

جواب : پہلے پہل تو اتنے زیادہ روپوں کو دیکھ کر بھی چندر پر کاش نے اپنا ایمان سنبھالے رکھا مگر جب اس نے ٹھاکر صاحب کی بھوکے لیے پانچ ہزار کے زیور بنائے تو سونے کی چمک اور اتنے قیمتی زیور کو دیکھ کر اس کا ایمان ڈگکا گیا۔

سوال : چندر پر کاش نے ٹھاکر صاحب کا گھر کیوں چھوڑا؟

جواب : جب زیور کا ڈباقھوری ہوا اور ابتدائی تشقیش میں یہ بات سامنے آئی کہ چور چندر پر کاش کے گھر سے کو دکر ٹھاکر صاحب کے گھر میں داخل ہوا تھا تو اس بات سے چندر بہت شرمدہ ہوا اور خود کو موردا الرام ٹھہرا کر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ٹھاکر صاحب کا گھر چھوڑ دے کیوں کہ چور نے چوری کی راہ تلاش کر لی ہے اور وہ دوبارہ بھی یہ حرکت کر سکتا تھا۔

سوال : ٹھاکر صاحب کے چندر پر کاش پر کسی ایک احسان کی تفصیل بتائیے۔

جواب : چندر پر کاش بینک میں خالی ایک نوکری کا استھناق رکھتا تھا لیکن اس کے پاس ضمانت کے دس ہزار موجود نہیں تھے۔ جب ٹھاکر صاحب کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے پر کاش کو یہ رقم عنایت کی اور یوں پر کاش کو بینک کی ملازمت مل گئی۔

سوال : چندر پر کاش اور اس کی بیوی کے کرداروں کا مقابل بھیجیے۔

جواب : چندر پر کاش اور اس کی بیوی چمپا دونوں ایمان دار تھے۔ فرق یہ ہے کہ چندر پر کاش ملسا را اور خوش اخلاق تھا جبکہ چمپا بظاہر چرب لسان اور خواہشات ماری ہوتی عورت تھی۔ پر کاش کی نیت وقتی طور پر ضرور خراب ہوتی اور اس نے زیور کا ڈباقڑا لیکن بہت جلد اسے احساس ہو گیا اور اس نے زیور کا ڈباؤ اپس کر دیا۔

سوال : چمپا کو ایسا کیوں محسوس ہوا کہ اس کا بچھڑا ہوا خاوند بہت مت کے بعد گھر آیا ہے؟

جواب : جب چمپا کو پتہ چلا تھا کہ اس کے شوہر نے چوری کی ہے تو وہ اس سے ناراض رہنے لگی تھی لیکن جب پر کاش کو اپنے جرم کا احساس ہوا اور اس نے زیور کا ڈباؤ اپس کیا تو اسے لگا کہ اس کا بچھڑا ہوا شوہر جو ایمان دار تھا بہت مت کے بعد گھر آگیا ہو۔

سوال : افسانہ نگار نے زندگی میں سچی خوشی حاصل کرنے کا کیا طریقہ بتایا ہے؟

جواب : افسانہ نگار نے بتایا کہ سچی خوشی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے اپنی ذات سے دوسروں کو نفع پہنچایا جائے اور ہر شخص کو خوشی دی جائے۔ جو نعمتیں اللہ پاک نے ہمیں دی ہیں ان پر رب کا شکر ادا کیا جائے اور دوسروں کو ملنے

والی نعمتوں کی تاک میں نہ رہا جاتے اس لیے کہ لاپچ کی توکوئی انتہاء نہیں ، اگر ہم دوسروں کی زندگیوں پر نظر رکھیں گے تو جو نعمتیں ان کے پاس موجود ہیں ہمیں ان کی کمی محسوس ہوگی اور ہمیں دلی خوشی کسی صورت حاصل نہ ہوگی۔

### بابا نور

**سوال :** بابا نور ڈاک خانے کے چکر کیوں لگاتا تھا؟

**جواب :** جو ان بیٹی کی موت نے بابا نور کی ذہنی کیفیت کو متاثر کیا تھا۔ وہ بیٹی کی موت کو قبول نہیں کر سکتا تھا اور اسے ہر وقت یہ لگتا تھا کہ ڈاکیا اس کے بیٹے کا خط لے کر آیا ہوگا، اس لیے وہ بار بار ڈاک خانے کے چکر لگاتا تھا۔

**سوال :** بابا نور نے کھیت میں کام کرتی لڑکی کی کیوں تعریف کی؟

**جواب :** جب بابا نور نے دیکھا کہ لڑکی کھیت میں گندم کے کھیتوں کے درمیان میں موجود گھاس کو انتہائی مہارت سے کاٹ رہی ہے اور گندم کے پودوں کو بالکل بھی نقصان نہیں پہنچ رہا تو بابا نور اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

**سوال :** بابا نور کا افسانے میں بیان کردہ حلیہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

**جواب :** بابا نور کا بابا س اجلے سفید کھدر کا تھا۔ ٹوپی بھی سفید کھدر کی تھی جو سفید بالوں کی وجہ سے گردن تک چڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ رنگ گورا چٹا تھا البتہ گورے رنگ میں پیلا ہٹ نمایاں تھی۔ داڑھی کے بال اچھی طرح لکنگھی کیے ہوئے تھے۔ کندھے پر سفید کھدر کا رومال تھا۔

**سوال :** کس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بابا نور کے کردار میں مخصوصیت، دردمندی اور خیر خواہی کے عناصر موجود تھے؟

**جواب :** بابا نور شرارتی بچوں کو بھی نہ ڈانتا تھا بلکہ اگر کوئی دوسرا شخص بچوں کو حظر کتا تو وہ اسے ٹوکتا کہ بچوں کونہ ڈا نتے۔ جب بابا خط لینے ڈاک خانے پہنچتا اور منفی جواب پاتا تو انتہائی شرافت سے سر جھکاتے واپس چلا آتا۔ کھیت میں سے گزرتے ہوئے پودوں کا خیال رکھتا۔ ان تمام باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ بابا کے کردار میں مخصوصیت درد مندی اور خیر خواہی کے عناصر موجود تھے۔

**سوال :** اس افسانے کا انجام ہماری فکر اور احساس پر کیا اثرات مرتب کرتا ہے؟

**جواب :** اس افسانے کا انجام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ جو ان اولاد کی موت انسان کی ذہنی کیفیت کو متاثر کرتی ہے اور بابا نور جیسا موم دل انسان بھی پاگل ہو جاتا ہے۔ ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انسانوں کو جنگوں سے دور رہنا چاہیے اور جنگ میں جن لوگوں کے پیارے دنیا کو خیر باد کہہ جاتے ہیں ان کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیے۔

سوال : کن باتوں سے احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک دیہاتی ماحول کا افسانہ ہے ؟

جواب : افسانے میں جو منظر کشی کی گئی ہے، کھیت کھلیان، گندم کی فصل، حتھ پینتے کسان، مہماں نوازی اور لسی وغیرہ، یہ تمام باتیں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ افسانہ دیہاتی موحول کا ایئنہ دار ہے۔

## آبِ حیات

سوال : شہزادے مہران میں کون کون سی خوبیاں تھیں ؟

جواب : شہزادہ مہران عقلمند، سخنی، رحم دل اور خدا تر س تھا۔

سوال : شہزادے نے اپنے ساتھیوں کو کیا جواب دیا ؟

جواب : جب ساتھیوں نے پوچھا کہ ہرن کی گردن پر چھری پھیرتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں اتنا خوف کیوں تھا تو شہزادے نے جواب دیا کہ چھری پھیرتے ہوئے میری آنکھیں ہرن کی آنکھوں سے ٹکرائیں تو اس کی خوبصورت آنکھوں میں موت کا سایہ تھا جس نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔

سوال : وزیرزادے نے آبِ حیات کی کیا خاصیت بیان کی ؟

جواب : وزیرزادے نے بتایا کہ وہ پانی اتنا خوبصوردار ہے جیسے کیوڑے کا شربت، اتنا میٹھا ہے جیسے آم اور شهد۔ اس کا رنگ دودھیا ہے اور سب سے خاص بات یہ اس کے دو گھونٹ پینے سے سوال کا بڑھا سولہ سوال کا جوان ہو جاتا ہے۔

سوال : غار میں شہزادے مہران کی ملاقات کس سے ہوتی ؟

جواب : غار میں شہزادے کی ملاقات ایک مچھلی سے ہوتی جو حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ سے چھوٹ کر آبِ حیات میں گر گئی تھی۔

سوال : مچھلی نے شہزادے کو کیا نصیحت کی ؟

جواب : مچھلی نے شہزادے کو نصیحت کی کہ آبِ حیات کے دو گھونٹ ہمیشہ کے لیے موت کے ذات سے محروم کر سکتے ہیں اور اس کا ایک قطرہ اسے سوال کے بڑھاپے کے عذاب میں بنتلا کر سکتا ہے۔

سوال : شہزادے کی موت پر ہر آنکھ کیوں اشک بار تھی ؟

جواب : مچھلی کی نصیحت کے بعد سے شہزادے نے ہر خاص و عام کا خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔ خاص طور پر غربیوں کے حقوق کا وہ خاص خیال رکھنے لگا تھا۔ اس لیے جب اس کی موت واقع ہوئی تو ہر آنکھ اشک بار تھی۔

سوال : دریا کا نام مہران کیوں رکھا گیا؟

جواب : شہزادے مہران کے انتقال کے بعد لوگ اس کی یادگار کے طور پر کوئی یینار وغیرہ تعمیر کرنا چاہتے تھے مگر ایک دانا بوڑھے نے انھیں بتایا کہ ہمیں زندہ رکھنے والی دائی چیز یہ بتا دریا ہے لہذا اس دریا کا نام شہزادے کے نام پر رکھا جائے۔ سب لوگوں نے بوڑھے کی رائے کو پسند کیا اور یوں دریا کا نام مہران رکھ دیا گیا۔

سوال : اس کمانی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

جواب : اس کمانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حقیقی سکون آب حیات پی کر طویل زندگی جینے میں نہیں ہے بلکہ جتنی زندگی خدا کی طرف سے عمنایت کی گئی اسے بہتر انداز سے جیا جائے۔

## میدان جنگ

سوال : رستم نے خدا کے حضور کیا دعا کی تھی اور اس دعا کا کیا انجام ہوا؟

جواب : رستم نے خدا سے یہ دعا مانگی کہ اسے خدا! اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری لاج رکھ اور ایک بار مجھے میری جوانی کا زور بزاو عطا فرم۔ اس دعا کے بعد رستم میں ایسا جوش و جذبہ پیدا ہوا کہ اس نے سراب کو شکست دے دی۔

سوال : سراب نے رستم کو کیا پیش کش کی اور رستم نے اس پیش کش کا کیا جواب دیا؟

جواب : سراب نے رستم سے کہا کہ تو بہت بوڑھا ہو چکا ہے کہ بہتر ہو گا کہ میرے مقابلے کے لیے ایران کے کسی جوان کو بھیج دے۔ میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ واپس لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ جس کے جواب میں رستم نے سراب سے کہا کہ کل کی اتفاقی فتح پر اتنا غرور نہ کر، ہر نیا دن اپنے ساتھ نئی روشنیاں لے کر آتا ہے۔

سوال : یہ جاننے کے بعد سراب، رستم ہی کا بیٹا ہے، رستم کی کیا کیفیت تھی؟

جواب : یہ جاننے کے بعد کہ سراب، رستم ہی کا بیٹا ہے، رستم شدت غم سے نڈھاں ہو گیا اور خود کو کو سنبھال لگا کہ یہ میں نے کیا کر دیا۔ کوئی حیوان بھی اپنی اولاد کی جان نہیں لیتا اور میں انسان ہو کر یہ غلطی کر پیٹھا۔

سوال : سراب اپنے مقابلے یعنی رستم کی موت کیوں نہیں چاہتا تھا؟

جواب : سراب کو کہیں نہ کہیں یہ شک تھا کہ رستم ہی اس کا اصلی باپ ہے اس لیے وہ رستم کی موت نہیں چاہتا تھا۔ ایک غبی آواز بار بار سراب کو رستم سے جنگ کرنے سے روک رہی تھی۔

سوال : سہراب کی موت پر ستم کے جذبات اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

جواب : سہراب کی موت پر ستم غم کی شدت سے ندھال ہو کر رہ گیا اور رقت آمیز آواز میں یہ کہتا رہا کہ اب لاکھوں چاند ستارے مل کر بھی میرے غم کا ماداوی نہیں کر سکتے۔ میری زندگی کا خاتمہ ہو چکا۔ آج ہی میرے لیے قیامت ہے۔

## بیگم کی بیلی

سوال : بیلی کا رنگ سیاہ کیسے ہوا؟

بیلی کو میاں نے جلد بازی میں کونے کی کوٹھڑی میں بند کر دیا تھا جس کی وجہ سے بیلی کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔

سوال : امیدوار نے بیگم کی بیلی کو ٹھکانے لگانے کے لیے کتنی رقم طلب کی؟

جواب : امیدوار نے بیگم کی بیلی کو ٹھکانے لگانے کے لیے پانچ روپے طلب کیے۔

سوال : میاں بیلی سے کیوں بے زار تھا؟

جواب : میاں بیلی سے اس لیے بے زار تھا کہ جب سے یہ بیلی گھر میں آئی تھی بیگم کی ساری توجہ بیلی پر ہی مرکوز تھی اور وہ میاں سے دور رہنے لگی تھی۔ یہی نہیں بلکہ بیلی نے میاں کی ناک میں دم کر رکھا تھا بھی پڑوسیوں کے چوزے کھا جانا، بھی میاں کی چیزوں کو والٹ پلٹ کرنا، بھی گھر میں گندگیاں پھیلانا، یہ وہ حرکتیں تھیں جن کی وجہ سے میاں بیلی سے بے زار تھا۔

سوال : میاں نے بیگم کو خریداری کے لیے کیوں بھیجا؟

جواب : بیلی کی گمشدگی پر بیگم بست افسردہ تھی اور جب یہ پتہ چلا کہ وہ مرچلی ہے تو وہ غم سے ندھال ہو کر رونے لگی۔ میاں نے بیگم کو بازار بھیجا تاکہ بیگم کا دل بھل جائے۔

سوال : بیگم نے خریداری کی رقم کا کیا کیا؟

جواب : بیگم کو میاں نے خریداری کے لیے دس روپے دیے تھے۔ بیگم نے انہی دس روپوں سے بیلی خریدی۔ بیلی بھی وہ جس کو ٹھکانے لگانے کے لیے میاں نے اس امیدوار کو پانچ روپے دیے تھے۔ یعنی آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

## تھر کی نادیہ کما نچی

**سوال :** کارو بھر پہاڑی سلسلہ کس جگہ واقع ہے؟

**جواب :** کارو بھر کا پہاڑی سلسلہ صحرائے تھر کے علاقے ننگر پار کر میں ہے۔

**سوال :** مصنف نے ننگر پار کر کی منظر کشی کس طرح کی ہے؟

**جواب :** مصنف نے تمثیلی انداز میں ننگر پار کر کی منظر کشی کی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ صحراؤں کے درمیان آسٹریلیا کی الورو چٹان کی مانند، آسمان سے اترا ہوا مقدس چٹانی سلسلہ جو کہ بظاہر تو خشک اور پھیل ہے لیکن اس کے اندر خنک اور میٹھے پانی کے ذخیرے پوشیدہ ہیں۔

**سوال :** تھر کی نچی کس بات کا دعویٰ کر رہی تھی؟

**جواب :** تھر کی نچی کا دعویٰ تھا کہ چٹانی سلسلے کی چوٹی تک تین منٹ میں پہنچ سکتی ہے اور وہاں لگے جھنڈے کو ہاتھ لگا کر دو منٹ میں واپس آ سکتی ہے۔

**سوال :** تھر کی نادیہ کما نچی کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

**جواب :** تھر کی نادیہ کما نچی غربت، کم عمری اور بنیادی سیولیات سے محروم ہونے کے باوجود ما یوس نہیں تھی بلکہ اس کم عمری میں بھی اپنی صلاحیتوں کا بھر پورا انداز میں مظاہرہ کر رہی تھی۔

**سوال :** مصنف نے تھر کی نچی کو کس عالمی شہرت یافتہ لڑکی کے مترادف مانا؟ اور کیوں؟

**جواب :** مصنف نے تھی کی نچی کو رومانیہ کی عالمی شہرت یافتہ لڑکی نادیہ کما نچی سے اس لیے جوڑا کیوں کہ دونوں بہترین ایتھلیٹ تھیں اور دونوں کا نام بھی مماثل تھا۔

**سوال :** ایتھوپیا کے کس شخص کا مصنف نے ذکر کیا ہے؟ اور کیوں؟

**جواب :** مصنف نے ایتھوپیا کے ایتھلیٹ بکیلا کا ذکر کیا ہے جو تریت کے بعد او لمپکس کی میرا تھوں میں گولڈ میڈل جیت گیا تھا۔ یہاں اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اگر تھر کے بچوں کی مناسب تربیت کی جائے وہ بھی بہترین کارکردگی کا مظاہر کر سکتے ہیں۔

## ملکہ بلقیس کا محل

**سوال :** حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ہدہ کیوں غیر حاضر تھا؟

**جواب :** ہدہ ایک دور سرے ہدہ کے ساتھ شہر سبا چلا گیا تھا جہاں اس نے دیکھا کہ ان کی حمران ایک خاتون ملکہ بلقیس ہے۔ اس لیے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار سے غیر حاضر تھا۔

**سوال :** ہدہ کو کیا تھنہ دیا گیا؟

**جواب :** ہدہ کو خلعت دی۔ اس کے سر پر تاج بنادیا تھا جو آج تک ہدہ کے سر پر نظر آتا ہے۔

**سوال :** ہدہ نے ملکہ سبا کے محل کی کیا منظر کشی کی؟

**جواب :** ہدہ نے بتایا کہ ملکہ سبا کا بڑا سا محل ہے جس میں وہ بہت بڑے تخت پر بیٹھتی ہے جو کہ تیس گز کا ہے اور اس میں ہیرے جواہرات جڑے ہیں۔

**سوال :** ملکہ سبا نے تھنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیا کیا اشیاء بھجوائیں؟

**جواب :** ملکہ سبا نے تھنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سات سونے چاندی کی اینٹیں اور سات زربفت کے تھان بھجوائے۔

**سوال :** حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے تھنے کیوں قبول نہیں کیے؟

**جواب :** حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے تھنے قبول نہیں کیے کہ وہ اللہ کے نبی تھے اور کسی بے دین کے تھنے قبول نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ملکہ سبا اللہ کا دین قبول کر لے۔

**سوال :** جن نے ملکہ سبا سے متعلق کیا معلومات فراہم کی تھیں؟

**جواب :** جن نے ملکہ سبا کے متعلق معلومات دی تھیں کہ ان کی ماں جنات کی نسل سے اور ملکہ بہت بے عقل ہے۔ بعد میں یہ تمام معلومات جھوٹی ثابت ہوئی۔

## خواہ مخواہ کی لڑائی

**سوال :** خواہ مخواہ کی لڑائی سے مصنف کی کیا مراد ہے؟

**جواب :** خواہ مخواہ کی لڑائی سے مصنف کی مراد وہ لڑائی ہے جس کی کوئی وجہ یا سبب نہ ہو بلکہ وہ بلا وجہ شروع کی جاتے۔

**سوال :** لڑائی میں ابھنسے اور ابھانے میں کیا فرق ہے؟

**جواب :** لڑائی میں ابھنسے مراد یہ ہے کہ کسی سے معمولی بات پر اچانک لڑائی شروع ہو جائے جبکہ لڑائی میں ابھانے کا

مطلوب ہے کہ کسی کا غصہ کسی پر نکال دیا جائے۔ اگر انسان کا کسی پر بس نہیں چلتا تو وہ اس کا غصہ کہیں اور نکانا شروع کر دیتا ہے اور معمولی باتوں پر الجھتا ہے۔

**سوال :** خواہ مخواہ کی لڑائی کا ہماری شخصیت اور ماحول پر کیا اثر ہے؟

جواب : خواہ مخواہ کی لڑائی کا ہماری شخصیت پر بھی اثر پڑتا ہے اور ہمارے ماحول پر بھی۔ لوگ ایسے شخص سے دور رہنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ تنہارہ جاتا ہے۔ اسی طرح ماحول میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور جارحیت جنم لیتی ہے۔

**سوال :** خواہ مخواہ کی لڑائی سے دامن چھڑانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

جواب : خواہ مخواہ کی لڑائی سے دامن چھڑانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھا جائے اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ دوسروں کی پچھوٹی پچھوٹی باتوں پر سرزنش کرنے کے بجائے درگزر سے کام لیا جائے۔

## مجوریاں

**سوال :** موڑور کشاپ کا مالک اپنی کس عادت سے مجور تھا؟

جواب : موڑور کشاپ کے مالک کی شخصیت پر اس کے کام کا اتنا گہرا اثر تھا کہ وہ بعض اوقات سوتے ہوئے بھی چلانے لگتا تھا: بریکیں لگاؤ، اسٹارٹ کرو۔ ایک دفعہ مصنف کے ساتھ اونٹ پر پیٹھ کر جذبات میں اس کے لگنیر کا مذکورہ کر پیٹھا۔

**سوال :** جامت کرانے والے صاحب کیوں شرمند ہوئے؟

جواب : جامت کر روانے والے صاحب نے ایک شخص سے سنا کہ عبد القدوس صاحب کے گھر آگ لگ گئی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ گرتے پڑتے وہاں سے بھاگے۔ آدھے راستے پہنچ کر انھیں یاد آیا کہ ان کا نام تو عبد القدوس ہے ہی نہیں۔ اس بات سے وہ بہت شرمند ہوئے۔

**سوال :** فلاسفہ کے خط سے ان کی کون سی عادت ظاہر ہوتی ہے؟

جواب : فلاسفہ کے خط سے ان کی یہ عادت سامنے آتی ہے کہ وہ ہمیشہ خود کو صحیح اور دوسروں کو غلط سمجھتے ہیں اور عادتاً ڈھیٹ اور نجوس ہوتے ہیں۔

**سوال :** مصنف نے تقریب میں موجود افراد کو ذرا سی دیر میں کیسے پہچان لیا؟

جواب : مصنف نے تقریب میں موجود افراد کو ذرا سی دیر میں ان کی باتوں سے پہچان لیا۔ موضوع کوئی بھی ہوہر شخص اپنے

مضمون کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ ریاضی کے پروفیسر ریاضی میں، تاریخ کے تاریخ میں اور جغرافیہ کے جغرافیہ کی زبان میں بات کر رہے تھے۔

**سوال :** سبق "مجبوریاں" سے اپنی پسند کا مزاحیہ واقعہ منتخب کر کے لکھیے۔

**جواب :** ایک صاحب جام کی دکان پر جامست کروار ہے تھے۔ دورانِ جامست انہوں نے ایک شخص سے سنائے عبد القدوس صاحب کے گھر آگ لگ گئی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ گرتے پڑتے وہاں سے بھاگے۔ آدھے راستے پہنچ کر انہیں یاد آیا کہ ان کا نام تو عبد القدوس ہے ہی نہیں۔ اس بات سے وہ بہت شرمندہ ہوئے۔

### ایک انار و صد بیمار

**سوال :** کراچی میں او سٹاکٹنے مریضوں کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر ہوتا ہے؟

**جواب :** کراچی میں او سٹاکٹس سومریضوں کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر ہوتا ہے۔

**سوال :** مغربی ملکوں میں مریضوں اور ڈاکٹروں کی کیا صورت حال بیان کی گئی ہے؟

**جواب :** مغربی ملکوں میں مریضوں اور ڈاکٹروں کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے بعض ملکوں میں ہر سو بچا س افراد کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر ہے۔ بعض ملکوں میں ہر پانچ چھ افراد کے لیے ایک ڈاکٹر ہے اور بعض ممالک تو ایسے ہیں کہ ایک آدمی کے پیچے دو ڈاکٹر بھاگ رہے ہیں۔

**سوال :** سبق میں بزرگ کو کہاوت کی تصحیح کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

**جواب :** صحیح کہاوت ہے "ایک انار سوبیمار"۔ مگر بزرگ نے کراچی میں انڑیوں کی مردم شماری کی تو وہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ "ایک انڑ سوبیمار"۔ انڑ، انڑی کا مخفف ہے۔ کیوں کہ کراچی کوئی قندھار تو ہے نہیں کہ یہاں انار کی بات کی جائے۔ ہاں البتہ اتنا یا انڑ سو سو قسموں کے موجود ہیں۔

**سوال :** مصنف نے علاج کے نام پر کون کون سے طریقوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے؟ اور کیوں؟

**جواب :** مصنف نے ایلو پیتھی، ہومیو پیتھی، فٹ پا تھی، حکیم، وید، عامل، منجم، کامل، جخار، تعویذ والے اور انگوٹھیوں والے معالجوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے اور مزے کی بات یہ ہے آج کل ان میں سے ہر کے پاس مریضوں کی پری ریل پیل ہے۔

**سوال :** حکمی علاج سے کیا مراد ہے؟

**جواب :** حکمی علاج سے مراد عطا نی حکمیوں کا علاج ہے جس میں اگر اللہ کا حکم ہو تو بندہ نجج جاتا ہے ورنہ جو اللہ کا حکم۔

سوال : میاں رفیق الدین کا علاج کس طرح ہوا؟

جواب : میاں رفیق الدین مختلف اندازوں کے مشوروں پر عمل کر کے اپنی معمولی سی پھنسی کو بہت بڑھا لے چکے تھے۔ بالآخر انہیں ہسپتال میں داخل کیا گیا جہاں تین چار ماہ کے بعد مکمل شفا یاب ہوئے۔

سوال : مصنف نے کس معاشرتی رویے کی نشان دہی کی ہے؟

جواب : مصنف نے اس سبق میں لوگوں کی صحت کے ساتھ کھلوڑ کرنے والے نیم حکیموں پر لطیف طنز کیا ہے۔

### مکتوبات (خطوط)

سوال : خط کے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے نام لکھیے۔

جواب : اس خط کے مکتوب نگار مرزا غالب اور مکتوب الیہ میر مددی مجرد ہیں۔

سوال : خط نویسی کے سلسلے میں محمد شاہی روشن سے غالب کیا مراد ہے؟

جواب : خط نویسی کے سلسلے میں محمد شاہی روشن سے غالب کی مراد خط کا روایتی انداز ہے جس کی ابتداء القابات اور خیریت وغیرہ پوچھ کر کی جاتی تھی۔ یہ روشن غالب کو پسند نہ تھی، وہ بے تکلف خط لکھنے کو ترجیح دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ غالب نے خط نویسی کے اسلوب کو یکسر تبدیل کر دیا یہاں تک کہ کہا گیا کہ انہوں نے مراسلے کو مکالمہ بنایا۔

سوال : خط سے بے تکلف گفتگو کی ایک مثال لکھیے۔

جواب : غالب نے اپنے خط کا آغاز بڑی بے تکلفی سے کیا ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں :

"ہاں صاحب! تم کیا چاہتے ہو؟ مجہد العصر کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا۔ اب اور کیا لکھوں؟ تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

سوال : غالب نے اس خط میں نئے اندازِ خط نگاری کے حوالے سے کن امور کی نشان دہی کی ہے؟

جواب : اس خط میں غالب نے محمد شاہی روشن کی مخالفت کی ہے۔ محمد شاہی روشن سے غالب کی مراد خط کا روایتی انداز ہے جس کی ابتداء القابات اور خیریت وغیرہ پوچھ کر کی جاتی تھی۔ یہ روشن غالب کو پسند نہ تھی، وہ بے تکلف خط لکھنے کو ترجیح دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ غالب نے خط نویسی کے اسلوب کو یکسر تبدیل کر دیا یہاں تک کہ کہا گیا کہ انہوں نے مراسلے کو مکالمہ بنایا۔

سوال : مولانا گرامی کے جالندھر آنے کی خبر پر اقبال نے کیا لکھا؟

جواب : مولانا گرامی کے جالندھر آنے کی خبر پر اقبال نے خوشی کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھیں یہ سن کر خوشی ہوئی۔

اس لیے کہ ان کے ساتھ گزر اوقت بہت پُر لطف ہوتا ہے۔

**سوال :** اقبال نے آم کے بارے میں کیا رائے دی ہے؟

**جواب :** اقبال نے آم کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ لکھا ہے کہ آم گردے کے مریضوں کے لیے اچھا ہے اور مجھے اس سے محبت بھی ہے۔ کھانے کی تمام چیزوں میں صرف آم ایک شے ہے جسے کھانے کی مجھے خواہش ہوتی ہے۔

**سوال :** اقبال نے اپنی تصنیف "رموزِ بے خودی" کے بارے میں کیا لکھا ہے؟

**جواب :** اقبال نے اپنی تصنیف "رموزِ بے خودی" کے بارے میں لکھا ہے کہ میراگمان یہ تھا میں اسے مکمل کر چکا ہوں مگر پرسوں مجھے معلوم ہوا کہ ابھی دو تین مضمایں باقی ہیں۔

**سوال :** یورپ کے نظریہِ قومیت کے بارے میں اقبال کا کیا موقف ہے؟

**جواب :** یورپ کے نظریہِ قومیت کے بارے میں اقبال کا موقف یہ ہے کہ یورپ جس قومیت پر نازکرتے ہیں وہ محض بودے اور سست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف پھیٹڑا ہے۔

**سوال :** مشق خواجہ نے کسے خط تحریر کیا ہے اور کس مقصد کے تحت؟ مختصرًا اپنے الفاظ میں بتائیے۔

**جواب :** مشق خواجہ نے یہ خط صدیق خواجہ کو تحریر کیا ہے۔ دراصل یہ جوابی خط ہے۔ اس خط میں خواجہ صاحب نے گزشتہ خط کا جواب نہ دینے پر معذرت کی ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہ جھنڈیر کی لا تبریری دیکھنے کے تھے۔

**سوال :** اس خط میں کتنی شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے؟

**جواب :** اس خط میں مکتوب نگار مشق خواجہ اور مکتوب الیہ صدیق جاوید کے علاوہ چھ شخصیات کا ذکر ہے، جن میں میاں مسعود احمد، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر عالمگیر اور نگزیب، جعفر بلوچ اور سید احمد مرحوم شامل ہیں۔

**سوال :** خط کا اسلوب کیسا ہے؟ واضح بھیجیے۔

**جواب :** اس خط کے مکتوب نگار مشق خواجہ ایک معروف نقاد اور کالم نگار ہیں۔ چنانچہ اس خط کا اسلوب ادبی ہے۔ اس خط میں انہوں نے تعارفی انداز میں اپنے جھنڈیر لا تبریری کے دورے کا حال بیان کیا ہے۔

**سوال :** خط میں کون سی لا تبریری کا ذکر کیا گیا ہے؟ اور کیوں؟

**جواب :** خط میں سردار پور جھنڈیر کی لا تبریری کا ذکر کیا گیا ہے۔ مکتوب نگار نے اس لا تبریری کا دورہ کیا تھا تو وہ اپنے دورے کا حال بیان کر رہے ہیں۔

سوال : دارالمصنفین اور جنڈر میں کیا بات مشترک ہے؟

جواب : دارالمصنفین اور جنڈر، دونوں میں بہت بڑی اور عمدہ لائبریریاں موجود ہیں جن میں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔

سوال : لائبریری میں موجود کتابوں سے استفادے کو صدقہ جاریہ کیوں کہا جائے؟

جواب : کسی بھی لائبریری کا قیام ہی اس مقصد سے عمل میں لایا جاتا ہے کہ اس سے متعدد افراد مستفید ہوتے رہیں۔ جب تک لائبریری قائم رہے گی لوگ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے اور یہ نیکی کا سلسلہ جاری رہے گا۔



## M. HARIS BASIM

University Lecturer | Research Scholar  
Islamic Financial Consultant

[www.harisbasim.weebly.com](http://www.harisbasim.weebly.com) 0313-2577255

/HarisBasimHB /HarisBasimHB /HarisBasimHB /HarisBasimHB



## اصل مفہوم اور مضمون

### (۱) مضمون:

کسی موضوع کو دلیلوں، مثالوں اور حوالوں سے تشریح و توضیح کے ساتھ مناسب ترتیب اور موزوں الفاظ میں پیش کرنا مضمون کملاتا ہے۔ مضمون کئی طرح کے ہو سکتے ہیں، جیسے کہ ادبی مضمایں، اخلاقی مضمایں اور تاریخی مضمایں وغیرہ۔

#### مضمون کی اقسام:

نفس مضمون کے لحاظ سے مضمون کی تین اقسام ہو سکتی ہیں:

- ۱۔ بیانیہ: سوانح، تاریخی واقعات، حادثات وغیرہ۔
- ۲۔ فخریہ: فخری اور استدلالی موضوعات، اخلاقیات، مباحثہ وغیرہ۔
- ۳۔ تعریفیہ: کسی جگہ یا چیز یا مناظر قدرت سے متعلق۔

#### مضمون کے مدارج:

مضمون ہمیشہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

۱. تمہید: مضمون کی تمہید نہایت مختصر اور جامع ہونی چاہیے۔
۲. نفس مضمون: اس حصے کو تمام مضمون میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔
۳. نتیجہ: اختتامیہ نہایت موثر اور دل پذیر ہونا چاہیے۔

### (۲) ناول:

ناول اطالوی زبان کے لفظ "Novella" سے نکلا ہے۔ اردو میں ناول انگریزی کے وسیلے سے آیا ہے۔ اس کے معنی نیا اور عجیب کے ہیں۔ لیکن صفت ادب میں ناول ان تصویں کو کہا جاتا ہے جن میں "داستان" کی طرح فرضی اور مافق الفطرت واقعات پیش کرنے کے بجائے انسانی زندگی میں روزانہ پیش آنے والے معاملات اور واقعات کو دپھسپ انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ ناول کی اگر جامع تعریف کی جائے تو وہ کچھ یوں ہو گی کہ:

”ناول ایک نثری قصہ ہے جس میں پوری ایک زندگی بیان کی جاتی ہے۔“

ناول کے عناصر ترکیبی میں کمانی، پلات، کردار، مکالے، زماں و مکاں، اسلوب، نکتہ نظر اور موضوع وغیرہ شامل ہیں۔ اردو نثر کو ناول نگاری سے روشناس کرانے کا سہرا ڈپٹی نزیر احمد کے سر ہے جنھوں نے ”مراة العروس، توبۃ النصوح، ابن الوقت اور فسانہ بتلا“ جیسے اصلاحی ناول لکھے۔

## (۳) افسانہ :

افسانے سے مراد ایسی نثری کہانی ہے جو مختصر ہو اور جس میں زندگی کے ایک پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہو۔ افسانہ دور جدید کی پیداوار ہے۔ اس مشینی دور کی تھکا دینے والی زندگی میں لوگوں کے پاس اس قدر وقت نہیں کہ وہ طویل اور تفصیلی داستانیں یاناول پڑھ سکتیں۔ اس نظریہ کے تحت اردو افسانے نے جنم لیا۔ گویا یہ داستان یاناول کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ہم جامع الفاظ میں افسانے کی تعریف یوں کر سکتے ہیں:

"یہ ایک نثری داستان ہے جس کے پڑھنے میں آدھے گھنٹے سے دو گھنٹے کا وقت لگے۔"

افسانہ نگار انسانی زندگی کے صرف ایک گوشے کی جھلک دکھلاتا ہے۔ اس کی توجہ زندگی کے صرف ایک پہلو پر مرکوز رہتی ہے۔ وہ اس ایک پہلو کو مختلف گوشوں کی وضاحت سے کہانی مکمل کرتا ہے۔ خام مواد کو ترتیب دینے کیلئے واقعات کے ربط و تعلق کے مطابق کہانی کا جو ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے اسے "پلاٹ" کہتے ہیں۔ افسانے کا پلاٹ ایسے احوال و واقعات اور تجربات سے مرتب کیا جاتا ہے جو ہماری زندگی میں آئے دن و قوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ افسانے کے فن میں پلاٹ، کردار، زبان و مکان، مرکزی خیال اور اسلوب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اردو میں مختصر افسانہ انگریزی زبان و ادب کے وسیلے سے آیا ہے۔

## (۴) ڈرامہ :

ڈرامہ یونانی لفظ "ڈراو" یا "ڈرائے" سے مانوڑ ہے جس کا مطلب ہے "کچھ کر کے دکھانا"۔ ڈرامہ دراصل الفاظ اور عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ ڈرامے میں زندگی کے اعمال کے علاوہ جذبات و احساسات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ ڈرامے میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو عملی جامہ پہنا�ا جاتا ہے۔ ہم زندگی کے ہر موضوع کو ڈرامہ کا موضوع بناسکتے ہیں۔

## ڈرامہ کی اقسام:

ڈرامہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) الیہ ڈرامہ      (۲) طبیہ ڈرامہ

\*.....الیہ یا ڈریجڈی اس ڈرامے کو کہتے ہیں جس کے پلاٹ کاتانا بانا لم انگیز اور دردناک ہو۔

\*.....طبیہ یا کامیڈی ڈرامہ وہ ڈرامہ کہلاتا ہے جس کا پلاٹ ہنسنے ہنسانے والے طب انگیز واقعات سے تیار کیا گیا ہو۔

## ڈرامہ کے حصے:

ڈراما قدرتی طور پر پانچ حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

۱۔ تمہید واقعہ

۲۔ ابجھاؤ

۳۔ نقطہ عروج

## ۵۔ سلحفاوہ

## (۵) سفر نامہ :

لفظ سفر نامہ عربی زبان سے مانخوذ لفظ "سفر" کے ساتھ فارسی لفظ "نامہ" لگانے سے مرکب "سفر نامہ" بنا۔ "سفر" کوچ کرنے اور اپنے مقام سے کسی اور جگہ جانے کو کہتے ہیں اور "نامہ" خط کو کہا جاتا ہے، جس کے معنی روزنامچہ یا ڈائری کے ہیں۔

سفر نامہ کا مضموم یہ ہے کہ دورانِ سفر مسافر جن حالات سے دوچار ہوتا ہے اور جو کوائف اس کو پیش آتے ہیں انھیں وہ صفحہ قرطاس پر منتقل کرتا ہے، دوسروں کو اپنے حالات سے باخبر کرتا ہے، کبھی اپنے حالاتِ سفر کو جمع کرتا ہے اور اس کو شائع کر دیتا ہے۔ اردو کا سب سے پہلا باقاعدہ سفر نامہ یوسف خان کمل پوش کا "تاریخ یوسفی" معروف بہ "عجائبات فرنگ" ہے۔

## سفر نامے کے مارچ :

عموماً سفر نامہ کے تین مراحل ہوتے ہیں :

1. انتخاب واقعات کہ کون سے واقعات بیان کئے جائیں اور کسے نظر انداز کر دیا جائے۔
2. واقعات کی پیش کشی کہ کس طرح واقعے کو پیش کیا جائے۔
3. تیسرا مرحلہ زبان و بیان کا ہے، زبان و بیان، خیال و واقعات سے مناسبت رکھتے ہوں، اسلوب میں تازگی و شکھنگی ہو، اگر سفر نامہ ادب و انشاء سے خالی ہو تو وہ صرف ایک سفری تحریر ہو گی، سفر نامہ شمار نہیں ہو گا۔

## (۶) خطوط :

خط کو "مکتوب" بھی کہا جاتا ہے۔ مکتوب جو لوگ ایک دوسرے سے فالصوں پر رہتے ہیں، تبادلہ خیال کے لیے اور خیریت جاننے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ ماضی میں نظریوں سے دور رہنے والوں کے آپسی تبادلہ خیال کا ایک ہی ذریعہ خط تھا۔ مختلف النوع جذبات، احساسات، خیالات اور اطلاعات تحریر کر کے ترسیل کا انتظام کرنا مکتوب نگاری کی خصوصیات ہیں۔

خط لکھنے والے کو "مکتوب نگار" اور جس کے نام خط لکھا جائے اسے "مکتوب الیہ" کہا جاتا ہے۔ خط کی تین قسمیں ہوتی ہیں :

- ۱۔ نجی خطوط
- ۲۔ کاروباری خطوط
- ۳۔ سرکاری خطوط

## خط کے حصے :

عموماً ایک خط مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہوتا ہے :

- |                               |                 |                         |
|-------------------------------|-----------------|-------------------------|
| ۳۔ آداب و تسلیمات             | ۲۔ القاب        | ۱۔ مقام روانی اور تاریخ |
| ۶۔ مکتوب نگار کا نام اور پستہ | ۵۔ اختقام مکتوب | ۲۔ خط کا مضمون          |
|                               |                 | ۳۔ مکتوب الیہ کا پتہ    |

### (۷) طنز و مزاح :

طنز سے مراد طعنہ، ٹھٹھہ، تمسخریار مز کے ساتھ بات کرنا ہے جب کہ مزاح سے خوش طبعی، مذاق یا ظرافت مراد دیا جاتا ہے۔ عام طور پر ”طنز“ اور ”مزاح“ کے الفاظ کو ملا کر بطور ایک مرکب کے استعمال کیا جاتا ہے مگر یہ دو مختلف المعانی الفاظ ہیں۔ مزاح کے لفظی معنی ہنسی مذاق، جب کہ طنز کے معنی طعنہ یا چھیر کے ہیں۔ دونوں کی اپنی اپنی حدود ہیں لیکن اس کے باوجود اکثر ایک دوسرے کے متوازی بھی چل رہے ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کی سرحدیں ایک دوسرے سے ایسے ملی ہوتی ہیں کہ ان کو الگ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ طنز ایک طرح کی تنقید ہے۔ ادب میں طنز کی اہمیت اس کی مقصدیت کے باعث ہے، اسی لیے اس کی تلخی گوارا کر لی جاتی ہے۔ مقصد کے بغیر طنز و مزاح کی تخلیق ممکن نہیں

**طنز و مزاح میں فرق :**

طنز اور مزاح میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ ایک مزاح نگار مزاح کا حصہ بن کر اس سے محظوظ ہو رہا ہوتا ہے، جب کہ طنز نگار سارے ماحول سے الگ تھلک ہو کر اور اپنے آپ کو بچا کر چوٹ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ طنز میں ایک گونہ جارحیت اور ایذا کو شی کا عضر موجود ہوتا ہے اور مزاح میں انسان دوستی کا شائستہ پایا جاتا ہے۔

### (۸) حمد :

حمد ایک عربی لفظ ہے، جس کے معنی ”تعریف کرنے“ کے ہیں۔ اصطلاح میں حمد اس نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ کی صفات اور عظمت و قدرت کا بیان ہوتا ہے اور اس کی ہمہ پہلو تعریف کی جاتی ہے۔ خدا کی حمد و ثناء اسی قدر مختلف و متنوع ہے جس قدر یہ کائنات و سیع ہے۔ حمد باری تعالیٰ کے لیے کوئی خاص وزن یا بحر مقرر نہیں، یہ کسی بھی وزن میں بیان کی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ:

- تعریف رسمی نہ ہو بلکہ عشق خداوندی میں ڈوب کر کہی جائے۔
- ادب و احترام کا خاص لحاظ رکھا جائے۔
- حمد و ثناء کے ساتھ ساتھ خیر و عافیت مانگی جائے۔

حمد اردو شاعری کی تدبیج تین صنف ہے۔ حمد باری تعالیٰ ہر زبان میں اور ہر مذہب میں پائی جاتی ہے۔

(۹) نعت:

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی تعریف بیان کرنے کے میں۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت، تعریف و توصیف، شماں و خصالص کے نظری انداز بیان کو نعت یا نعت خوانی یا نعت گوئی کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں نعت کے لیے لفظ "مِدْحُ رَسُولٍ" استعمال ہوتا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں بہت سے صحابہ کرام نے نعمتیں لکھیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ نعت لکھنے والے کو نعت گوشہ جکہ نعت پڑھنے والے کو نعت خواں یا شناخت خواں کہا جاتا ہے۔ حمد کی طرح نعت کی بھی کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں ہے البتہ نعت گوشہ اور کہ لیے ضروری ہے کہ:

- تعریف رسی نہ ہو بلکہ عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر کہی جائے۔
- الفاظ پاکیزہ اور مشتملہ ہوں۔
- ادب و احترام کا خاص لحاظ رکھا جائے۔
- غلو سے کام نہ لیا جائے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کی ہے۔ مولانا

نضر علی خان کا نام خاص طور پر قبل ذکر ہے جنہیں "نعت گوشہ اور کہا جاتا ہے۔"

(۱۰) غزل:

غزل عربی زبان کا لفظ ہے اور غزال سے نکلا ہے۔ غزال ہرن کو کہتے ہیں۔ غزل اس آواز کو کہا جاتا ہے جو ہرن کے لگے سے اس وقت نکلتی ہے جب وہ شیر کے خوف سے بھاگ رہی ہوتی ہے۔ قدیم زمانے میں عورتوں سے باتیں کرنے کو غزل کہا جاتا تھا۔ اصطلاح شاعری میں غزل سے مراد وہ صفتِ نظم ہے جس کا ہر ایک شعر الگ مضمون کا حامل ہو اور اس میں عشق و عاشقی کی باتیں بیان ہوئی ہوں خواہ وہ عشقِ حقیقی ہو یا عشقِ مجازی۔ لیکن آج کل غزل میں عشق و عاشقی کے علاوہ دنیا کا کوئی بھی موضوع زیر بحث لایا جاتا ہے۔ اس کا آغاز فارسی زبان سے ہوتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اسکے عربی زبان سے تعلق سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ عربی صفتِ قصیدہ میں موجود تشیب سے ہی غزل کی ابتداء ہوئی۔

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے جس کے دونوں مرصعے ہم قافیہ اور ہم ردیف یا صرف ہم قافیہ ہوتے ہیں اور باقی اشعار میں سے دوسرا مصرع قافیہ میں پہلے شعر کی پابندی کرتا ہے۔ آخری شعر میں عام طور پر شاعر اپنا شخص استعمال کرتا ہے، اسے مقطوع کہا جاتا ہے۔ غزل کے اشعار میں موضوع کے حوالے سے کوئی ربط نہیں ہوتا اور ہر شعر کا موضوع اور مضمون الگ الگ ہوتا ہے۔

نظم:

نظم ایک نہایت بسیط و وسیع اصطلاح ہے۔ اس کے لغوی معنی "موقی پرونا، آراستہ کرنا" وغیرہ ہیں۔ اصطلاحاً نظم ایسی صفت سخن ہے جو کسی بھی موضوع کو تسلسل سے بیان کرتی ہے جس میں موضوع یا عنوان کی تفصیل ہوتی ہے۔ یہ کسی خاص موضوع پر لکھی جاتی ہے۔

اس لحاظ سے نظم کا میدان غزل سے زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ غزل کا ایک شرعاً یک ہی جذبہ کو بیان کرتا ہے مگر نظم میں موضوع کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ نظم وہ صفت سخن ہے جس کی مثالیں دکن کے پہلے صاحبِ کلیات شاعر قلبِ قطب شاہ سے لے کر عمد جدید تک کثرت سے ملتی ہے۔ نظیرِ اکبر آبادی نے جدید نظم نگاری کی ابتدائی لیکن اس کو ترقی اور استعمالِ محمد حسین آزاد، حالی، اسماعیل میر ٹھی وغیرہ کے ہاتھوں ملا۔

نظم کی اقسام:

ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہیں:

- ۱۔ پابند نظم: ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔
- ۲۔ نظم معرا: ایسی نظم جس کے تمام مصروعے برابر ہوں مگر اس میں قافیے کی پابندی نہ ہو۔
- ۳۔ آزاد نظم: ایسی نظم جس کے تمام مصروعوں کا وزن ایک نہ ہو۔ نظم کے مختلف مصروعے چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں لیکن ان میں بحر عام طور پر ایک ہوتی ہے۔ مصروعوں میں ارکان کی تعداد کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔
- ۴۔ نشری نظم: نشری نظم میں ردیف، قافیہ اور وزن کی پابندی نہیں ہوتی۔ یہ چھوٹی بڑی نشری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

مشہور نظمیں:

اردو میں بہت سی نظمیں مشہور ہیں لیکن مندرجہ ذیل نظمیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

- آدمی نامہ، ہنس نامہ (نظیرِ اکبر آبادی)
- شکوه، جواب شکوه (ڈاکٹر علامہ محمد اقبال)
- مسدس موجزِ اسلام (الاطافِ حسین حالی)
- شہنشاہ نامہ اسلام (حضرت جلال الدین حرسی)

(۱۲) مُسَمَّط:

مسmet عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں، موتیوں کو لڑیوں میں پرونا، موتیوں کی لڑی۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ نظم ہے جس کا ہر بند ایک مقررہ تعداد کے مصروعوں پر مشتمل ہو۔ ایک بند میں

مصر عوں کی تعداد تین سے لے کر دس تک ہو سکتی ہے۔

اس طرح مصر عوں کی گنتی کے لحاظ سے مسمط کی آٹھ قسمیں بنتی ہیں :

- ۱۔ مثلث : اگر ہربند میں تین مصرعے ہوں۔
- ۲۔ مربع : اگر ہربند میں چار مصرعے ہوں۔
- ۳۔ مخمس : اگر ہربند میں پانچ مصرعے ہوں۔
- ۴۔ مسدس : اگر ہربند میں چھ مصرعے ہوں۔
- ۵۔ مسیع : اگر ہربند میں سات مصرعے ہوں۔
- ۶۔ مشمن : اگر ہربند میں آٹھ مصرعے ہوں۔
- ۷۔ متشع : اگر ہربند میں نو مصرعے ہوں۔
- ۸۔ معاشر : اگر ہربند میں دس مصرعے ہوں۔

### (۱۳) مرثیہ :

لفظ مرثیہ عربی لفظ 'رثا' سے مشتق جس کے معنی ہیں کسی کی وفات پر رنج و غم ظاہر کرنا اور رونا۔ اردو شاعری کی ایک صفت کی حیثیت سے کسی بھی عزیز کی وفات پر اظہار رنج سے متعلق نظم کو مرثیہ کہا جاسکتا ہے۔

مرثیہ کی صفت عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں آئی۔ اردو میں مرثیہ کی ابتداء دکن سے ہوئی۔ اردو کا سب سے پہلا مرثیہ گوشادر کنی شاعر ملاوجہ کو سمجھا جاتا ہے۔ لکھنؤ میں اس صفت کو مزید ترقی ملی اور میر انیس اور میر دبیر جیسے شعرا نے مرثیہ کو اعلیٰ مقام عطا کیا۔ اردو اور فارسی میں مرثیہ کی صفت زیادہ تر اہل بیت یا واقعہ کر بلا کے لیے مخصوص ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سی عظیم شخصیات کے مرثیے لکھے گئے ہیں۔

**مرثیہ کے اجزاء :**

بنیادی طور پر ایک روایتی مرثیہ اپنی ترکیب میں مندرجہ ذیل اجزاء کا حامل ہوتا ہے۔

- |          |         |          |         |        |
|----------|---------|----------|---------|--------|
| ۱۔ تہمید | ۲۔ چہرہ | ۳۔ سرپا  | ۴۔ رخصت | ۵۔ آمد |
| ۶۔ رجز   | ۷۔ جنگ  | ۸۔ شہادت | ۹۔ دعا  |        |

**ہیئتِ مرثیہ :**

مرثیہ کی صفت کو شعری ہیئت کے لحاظ سے قطعات، مسدس اور مخمس کی صورت میں لکھنے کا رواج دبتا ہے لکھنؤ کے مشاہیر نے قائم کیا تھا۔ میر انیس کی ولادت سے پہلے ان کے والد کے ایک ہم عصر شاعر میر ضمیر کے ایک مسدس

میں یہ دعویٰ موجود ہے کہ مرثیہ کو مرفوجہ ہیئت میں لکھنے کی طرح انہوں نے ڈالی۔

#### (۱۴) شنوی :

شنوی کا لفظ عربی کے لفظ "شَنْيٌ" سے بنائے اور شنی کے معنی "دو" کے ہیں۔

اصطلاح میں ہیئت کے لحاظ سے ایسی مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے شعر میں دونوں مصروعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر میں قافیہ بدل جائے، لیکن ساری شنوی ایک ہی بحر میں ہو۔ شنوی میں عموماً لمبے لمبے قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ نثر میں جو کام ایک ناول سے لیا جاتا ہے، شاعری میں وہی کام شنوی سے لیا جاتا ہے۔ یعنی دونوں ہی میں کمائی بیان کی جاتی ہے۔

شنوی ایک وسیع صفت سخن ہے اور تاریخی، اخلاقی، اور مذہبی موضوعات پر کئی ایک خوبصورت شنویاں کہی گئی ہیں۔

البتہ شنوی عموماً پچھوٹی بحروں میں کہی جاتی ہے اور اس کے لیے چند بحربیں مخصوص بھی ہیں۔ شعراء عموماً اس کی پاسداری کرتے ہیں لیکن شنوی میں شعروں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ کچھ شنویاں تو کئی کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہیں۔

#### مشور شنویات :

اردو میں یوں توبہت سی شنویاں ہیں لیکن میر سحسن دہلوی کی "سحر البيان"، نواب مرزا شوق لکھنؤی کی "زہر عشق" اور پنڈت دیاشنکر نسیم گی "گلزارِ نسیم" بہت مشور ہیں۔

#### (۱۵) رباعی :

رباعی ایسی نظم کو کہتے ہیں جو چار مصروعوں پر مشتمل ہو۔ پہلا، دوسرا اور چوتھا مصروعے لازماً ہم قافیہ ہوتے ہیں، تیسرا مصروعے میں قافیہ ضروری نہیں۔ رباعی کے لیے بارہ اوزان مخصوص کیے گئے ہیں۔

رباعی کے پہلے تین مصروعے تین سیڑھیوں کی طرح ہوتے ہیں جو پڑھنے والے کو بتدریج ایک ایسی بلندی پر لے جاتے ہیں جہاں چوتھا مصروع اپنا بھر پور جلوہ دکھاتا ہے اور بات مکمل کرتا ہے۔

رباعی کے لیے کوئی خاص موضوع یا مضمون مخصوص نہیں۔ عام طور پر اس میں فلسفیانہ، اخلاقی اور نصیحت آموز مضمایں بیان کیے جاتے ہیں۔

#### (۱۶) قطعہ :

قطعہ کے لغوی معنی "ٹکڑا" یا "جزو" کے ہیں۔

اصطلاح میں اس نظم کو کہتے ہیں، جس میں کوئی خیال یا واقعہ مسلسل بیان کیا گیا ہو۔ قطعے میں مطلع کی موجودگی ضروری نہیں۔ مقطوع اور ردیف بھی ضروری نہیں۔ قطعہ کم از کم دو شعروں کا ہوتا ہے، زیادہ کی کوئی قید نہیں۔

قطعہ بنیادی طور پر اختصار، جامعیت، تسلسل بیان، مضمون کی سالمیت اور موضوعات و اسالیب کے تنوع کا حامل ہوتا ہے۔ اس صفت سخن میں بڑے بڑے شعر انہ چاہک دستی، بلند تخلیل اور قوت فخر سے کام لیا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قطعہ اپنے اندر بھر پور تجرباتی امکانات رکھتا ہے۔

### قطعہ اور رباعی میں فرق :

درج ذیل تین امور کی بنا پر دونوں میں فرق کیا جاسکتا ہے۔

⇒ وزن : رباعی ہمیشہ مخصوص اوزان میں کھی جاتی ہے، جب کہ قطعہ کے لیے کوئی وزن مخصوص نہیں۔

⇒ مطلع : رباعی میں ہمیشہ مطلع موجود ہوتا ہے، جب کہ قطعہ میں عموماً مطلع نہیں ہوتا۔

⇒ تعداد اشعار : رباعی ہمیشہ دو شعروں پر مشتمل ہوتی ہے، جب کہ قطعہ کے اشعار کی تعداد مقرر نہیں۔



## M. HARIS BASIM

University Lecturer | Research Scholar  
Islamic Financial Consultant



[www.harisbasim.weebly.com](http://www.harisbasim.weebly.com)



0313-2577255



/HarisBasimHB



/HarisBasimHB



/HarisBasimHB



/HarisBasimHB

لهم إني  
أعوذ بِكَ مِنْ أَنْ يُخْلِفَنِي  
مِنْ حَمْلِ مَا  
لَمْ أَحْمِلْ

## طریقہ جواب سوال نمبر ۹: نشرنگار کے طرزِ تحریر کی خصوصیات

۵ انہر کے اس سوال کے جواب کے لیے صدر مختن کے ہدایت ناموں کو پیشِ نظر لے جائے تو ان کا حاصل درج ذیل ہوگا:

(الف) عمدہ تمہید:

- (ب) دس سے بارہ خصوصیات، تکرار نہ ہو، ہر خصوصیت کی وضاحت کے لیے مناسب الفاظ (مگر شعری مثال کی طرز پر نثری طبکڑے تحریر کرنے کی ضرورت نہیں)
- (ج) تین، چار مستند ناقدرین کی آراء۔

### جوابی خاکہ

ابتدائیہ:

کلام کی خصوصیات:

۱

۲

۳

حارت باسم

ناقدرین کی آراء:

(۱)

"

(۲)

"

(۳)

"



### سر سید احمد خان

وہ ذاتِ باکمال کہ سید کمیں جسے مصلح تھا، مجتہد تھا زمانہ شناس تھا  
اس نے دیا ہے نثر کو اسلوبِ نو و سیم دنیا جانتی ہے ادب کی اساس تھا

**حالاتِ زندگی :**

سر سید، ۱۸۱۴ء میں ولیٰ کے ایک نہایت قدیم مذہب اور علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میر مقتیٰ تھا جو ایک درویش مش بزرگ تھے۔ والدہ خواجہ میر درد جیسے صوفی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ لڑکپن اور جوانی میں نہ صرف اس عہد کی فارسی، عربی اور دیگر علوم کی اچھی تعلیم پائی بلکہ وقت کے نامور عالموں اور ادیبوں کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ غالب، مومن، ذوق، صبائی اور شیفۃ جیسے باکمال لوگوں سے سر سید کا تعلق عقیدت مندانہ تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سر سید انگریزی حکومت کے ملازم ہو گئے۔ محکمہ قانون کے مختلف عہدوں پر فائز رہے اور ملک کے مختلف مقامات پر ان کا تبادلہ ہوتا رہا۔

**تصانیف :**

سر سید کی تصانیف میں:

- |                      |                       |
|----------------------|-----------------------|
| (۱) آثار الصنادید    | (۲) تاریخ بھنور       |
| (۳) خطباتِ احمدیہ    | (۴) اسبابِ بغاؤتِ ہند |
| (۵) آئینِ اکبری      | (۶) جلاء القلوب       |
| (۷) علی گڑھ انسٹیٹوٹ | (۸) تہذیب الاخلاق     |

**اسلوب تحریر :**

سر سید احمد خان کو جدید اردو کا بانی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے قلم کے ذریعے اپنی خوابیدہ قوم کو ترقی کی راہیں اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ آپ کی تحریر ہمیرا نجحا اور شیریں فرہاد کے قصے کہانیوں پر مشتمل ہونے کے بجائے ہمیشہ با مقصد اور انقلابی رہی۔ آپ کے اسلوب تحریر کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

**(۱) سادہ نگاری :**

سر سید سے پہلے اردو نثر بھی شاعری کی طرح بوجھل ہو رہی تھی۔ اداۓ مطالب میں تشبیہات اور استعارات کا رواج عام تھا۔ سر سید نے نثر کو تکلفات اور بے جا طوالت سے پاک کر کے سادہ مگر سنجیدہ انداز بخشا اور خشک قسم کے علمی، ادبی، دینی اور معاشرتی مسائل کو ایسے سادہ اور رواں انداز میں بیان کیا کہ پڑھنے والا اکتا ہست محسوس نہیں کرتا۔

(۲) عامیانہ پن :

سر سید کی تحریر میں کہیں کہیں زبان کا پرانا پن پایا جاتا ہے کبھی کبھی اسلوب میں ڈھیلا پن بھی آ جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ قواعد زبان کی پاندی بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ عامیانہ الفاظ کا استعمال بھی ان کے ہاں ملتا ہے۔

(۳) انگریزی الفاظ کا استعمال :

سید صاحب کی تحریر میں بعض دفعہ انگریزی الفاظ کی بھرمار بھی ذوق سلیم پر گراں گزرتی ہے۔ وہ ان الفاظ کو جو عام فہم اور عوام کی زبان پر جاری ہوں صحیح لفظوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسی لئے ان کی تحریروں میں ادبی حسن کی کمی ہے۔

(۴) سائنسی انداز تحریر :

سر سید نے طرز تحریر کے حامل اور جدیدیت کے قائل تھے۔ ان کا طرز تحریر سائنسیک ہے۔

(۵) قوت استدلال :

سر سید احمد نے اپنی تحریروں میں جذبات سے زیادہ عقل کو متأثر کیا ہے۔ وہ ہر قسم کے علمی، اخلاقی، دینی اور معاشرتی مضمون میں جذباتی عضور کو کم رکھتے ہیں بلکہ استدلالی انداز میں دلیل سے وزن پیدا کرتے ہیں اور منطقی ربط کے ساتھ اپنی بات آگے بڑھاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی بات مربوط انداز میں صاف سخن سے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

(۶) ادبی چاشنی :

موضوع کتنا بھی علمی، فخری اور تحقیقی ہو سید صاحب اپنے طرز تحریر سے اسے دلچسپ اور پر لطف بنادیتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں خشکی اور بے لطفی نہیں بلکہ ان کے زبان و بیان میں ایک ادبی چاشنی کی حلاوت موجود رہتی ہے۔ اس طرح قاری پوری دلچسپی دلچسپی کے ساتھ ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتا ہے۔

(۷) مقصدیت :

سر سید ادب کو زندگی کا خادم سمجھتے ہیں۔ اس نے محض عبارت آرائی اور انشاء پر داڑی کبھی ان کا مقصد نہیں بنتی چنانچہ ان کا علمی و فخری اسلوب تحریر تنقید نگاری کے لئے نہایت مناسب اور موزوں ہے۔ جس طرح وہ ایک متوازن نقاد تسلیم کئے جاتے ہیں اسی طرح ان کا طرز تحریر بھی متوازن اور معتدل ہوتا ہے اور مقصدیت کی شان رکھتا ہے۔

(۸) بے سانگھی و بر جستگی :

سر سید صاحب نے اکثر علمی، فخری اور تنقیدی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور اس کے لئے انشاء پر داڑانہ اسلوب تحریر کے بجائے بے ساختہ سادہ اور برجستہ بات کہنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ چنانچہ سید احمد صاحب کے ہاں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ وہ لفظی شان و شکوه دکھانے کے بجائے اصل توجہ اس بات پر دیتے ہیں کہ ان کی بات بہتر طور پر قاری کی سمجھ میں آسکے۔

## (۹) ذہنی انقلاب:

سر سید نے اپنی مضمون نگاری کے ذریعے بر صغیر کے روایتی سماج میں طاری جمود کو توڑا اور ایک عظیم ذہنی انقلاب برپا کر دیا۔ سر سید کو علی گڑھ سے بے حد لگاؤ تھا سر سید نے اپنے رفقاء کی مدد سے اردو زبان ادب کے ذریعے قومی شعور بیدار کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ بقول مولانا الطاف حسین حالی :

"سر سید کی مثال اس مضطرب شخص کی سی ہے جس کے گھر میں آگ لگی ہو اور وہ اسے بچانے کیلئے ہسایوں کو پکارے، ایسی حالت میں خوبصورت جملوں کا ہوش کیسے رہ سکتا ہے۔"

## (۱۰) طویل طویل جملے:

سر سید کی تحریر میں ایک نمایاں اور انفرادی کمزوری یہ ہے کہ وہ بہت طویل طویل فقرے لکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی تحریر میں ابھاؤ پیدا نہیں ہوتا اور دلچسپی برقرار رہتی ہے :

"بدھانہایت عمگین ہے مگر اس کا غم اندھیرے گھر پر ہے نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بھلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر رات پر"

## (۱۱) قیامِ پاکستان کی راہ ہموار کرنا:

ایک ادیب، مصنف اور جدید نشر کے بانی ہونے کی حیثیت سے ان کا شمارہندوپاک کی غیر فانی شخصیات میں ہوتا ہے۔ ان کے عہد میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت کا تصور تو موجود نہ تھا لیکن بعد میں علیحدہ وطن کے حصول کے لیے جو تحریک شروع ہوئی۔ اس کے لیے راہنماؤں کو ایک تیار قوم ملی۔ اس قوم کی تعمیر میں سر سید کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ان کے بارے میں تحریر کردہ ایک مضمون میں لکھا کہ "CSR پاکستان کی پہلی اینٹ اسی پیر مردنے رکھی تھی"۔

## ناقدین کی آراء:

- سر سید خان کے بارے میں مولانا الطاف حسین حالی کہتے ہیں کہ :
- "سر سید جدید اردو نشر کے مورث اعلیٰ ہیں۔"
- ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں :
- "سر سید کی نثر سے اردو اسلوب نثر کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔"
- بابائے اردو مولوی عبدالحق سر سید کے بارے میں کہتے ہیں :

- ڈاکٹر احسن فاروقی کہتے ہیں :

”سر سید ایک مصلح قوم تھے۔ انہوں نے نشرنگاری کے ذریعے قومی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔“

- ڈاکٹر حامد حسن قادری لکھتے ہیں :

”سر سید کوہر موضوع کو قوت و قدرت کے ساتھ بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا۔“

- ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں :

”انہوں نے وہ تحریک شروع کی جس کی موجودہ شکل آج پاکستان کی صورت میں نظر آتی ہے۔“

### حرف آخر:

غرض کہ سرسید اردو زبان و ادب کا اتنا بڑا نام ہے کہ کوئی ادبی تاریخ ان کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ قوم کے غم سے ان کا دل سرشار تھا اور ان کا وجود ”کام اور کام سے لگن“ کی ایک بھرپور مثال تھا۔  
میر کا یہ شعر انہی جیسے لوگوں کیلئے کہا گیا ہے :

~ بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو  
ایسا کچھ کر چلو یاں کہ بہت یاد رہو



## خواجہ الطاف حسین حالی

### تعارف:

خواجہ الطاف حسین اردو ادب و سخن میں ایک ایسا نام ہے جس کے احسانات کی بدولت جدید اردو عالمی معیار کے سفر پر گامزن ہو گئی۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جس نے ادب و سخن دونوں میں بھرپور خامہ فرمائی کی اور اہل دنیا سے دادو تحسین وصول کی۔ اسی کی کاؤشوں کی بدولت بر صغیر پاک و ہند میں علم و عمل کے چراگ روشن ہوتے اور بصیر توں کو زندگی کا سراغ ملا۔ اردو علم و ادب کا ہر شعبہ اس کا ممنوع احسان ہے۔ شاعری ہو یا نثر، تنقید ہو یا تحقیق ہر پہلو میں حالی ہی کو معیار سمجھا جاتا ہے۔

### طرز تحریر:

الطاف حسین حالی کی نشرنگاری کی خصوصیات درج ذیل ہیں :

## (۱) مقصدیت:

حالی نے ہمیشہ مقصدیت کو اولین ترجیح دی اور اپنی تحریروں سے اصلاح معاشرہ کی کاوشیں کیں۔ آپ نے ادب و سخن کو زندگی کا حقیقی ترجمان بنادالا کیونکہ آپ کے نظریہ کے مطابق ایسا ادب بے ادبی ہے جو ترجمانِ حیات نہ ہو۔ مثال کے طور پر وہ رقم طراز ہیں:

"میں نے جو کچھ لکھا اس کا فشاء وہ ضرورت وہ مصلحت ہے جس کے سبب سے بھولے کو راہ بتانی جاتی ہے  
اور مریض کو دوائے تلک کی ترغیب دی جاتی ہے۔" (مقالات حالی)

## (۲) سادگی و سلاست:

حالی کی تحریریں سادہ اور سلیس جملوں پر مشتمل ہوتی ہیں، جن میں معا انہائی شائستہ پیراؤں میں بیان کیا جاتا ہے۔  
حوالہ جاتی مضمایں ہوں، سوانح نگاری ہو یا تنقید کا سخت میدان، ان کی بات سیدھا اور واضح مضموم رکھتی ہے۔



## (۳) تنقید نگاری:

سہارا یا۔ آپ نے کبھی حقیقت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا اور تحریر اور کردار کو داغدار ہونے سے ہمیشہ بچایا۔  
آپ کی وہ کتاب جس میں آپ نے اپنی تنقیدی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا "مقدمہ شعرو شاعری" کے نام سے  
مشورہ ہے۔



## (۴) سوانح نگاری:

خواجہ الطاف حسین حالی جدید سوانح نگاری کے موجود ہیں۔ موجود ہونے کے باوجود آپ نے اس صفتِ ادب کی  
معراج کو چھوپا اور بہترین نمونہ اے تحریر پیش کئے۔ آپ کے چند مشورہ سوانح درج ذیل شخصیتوں پر مبنی ہیں:

## ات ب سام

✓ شیخ سعدی (حیات سعدی)

✓ مرزا غالب (یادگار غالب)

✓ سرسید احمد خان

## (۵) حسنِ تخیل:

خواجہ الطاف حسین حالی کے نشرپاروں میں تخیل کی کارفرمائی موجود ہے جو ان تحریروں میں شاعرانہ دل کشی کا واحد سبب ہے۔ یہ تخیل ان کے جذبات کا آئینہ دار ہے۔ مثال کے طور پر وہ رقم طراز ہیں:

"جس طرح تلوار کی کاث در حقیقت اس کی باڑھ میں نہیں بلکہ سپاہی کے کرخت ہاتھ میں ہے، اس طرح کلام کی تاثیر اس کے الفاظ میں نہیں بلکہ متکلم کی سچائی، اس کے نذر دل اور بے لالگ زبان میں ہے۔"

## (۶) تنوع مضمایں :

حالی وہ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اردو میں ادبی، سائنسی، تنقیدی و شاعرانہ مباحثے بہت کامیابی سے پیش کیے۔ ان کی تحریروں میں حیرت انگریزی تنوع پایا جاتا ہے اور ہر موضوع کا رنگ ملتا ہے۔ آپ کے بارے لکھا گیا:

”عملی نظریات اور اظہارِ حقائق کے لئے حالی کے نثر سے بہتر پیر ائمہ بیان اردو میں نہیں ہے۔“ (ڈاکٹر سید عبداللہ)

## (۷) انگریزی الفاظ کا استعمال :

سر سید احمد خان کی طرح حالی کی تحریروں میں بھی جامبجا انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ آپ مقصدیت پر زور دیتے ہوئے بعض اوقات شعوری طور پر بھی یہ الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ لکھتے ہیں:

”مگر ایک مور لست شاعر ان سے یہ تیجہ نکال سکتا ہے۔ جس کے لڑپھر کی عمر پچاس برس سے زائد نہیں۔ جس کی گرام آج تک اطمینان کے قابل نہیں بنی۔“

## (۸) استدلال :

حالی کی نثر میں سر سید کی عقلیت پسندی اور استدلال کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ وہ اپنی بات کی صداقت منوانے کے لیے منطق اور دلیل آرائی سے کام لیتے ہیں۔

## (۹) دھیما پن :

حالی کے اسلوب میں شبی کی طرح جوش بیان اور خطیبانہ بلند آہنگی نہیں ہے اور نہ ہی وہ آزاد کی طرح نثر میں شاعری کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ان کی نثر کے لمحے میں وہی دھیما پن، ملائمت، سادگی اور نرمی ہے جو ان کے مزاج کا حصہ ہے۔

## (۱۰) صحت زبان :

حالی اگرچہ پر شکوه زبان نہیں لکھتے مگر ان کی تحریریں بڑی صاف اور پاکیزہ ہوتی ہیں۔ وہ صحت زبان، روزمرہ اور محاورہ کی درستی کا خاص اهتمام کرتے ہیں۔ ہمیں ان کی تحریروں میں بیان کی صداقت، زبان کی صحت اور صفاتی بیان کا ایک جیاتلا انداز ملتا ہے۔

## (۱۱) بے ساختگی :

عناصر خمسہ میں سے صرف حالی واحد نثر نگار ہیں جن کی تحریروں میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہے۔ مگر یہ بے ساختگی ان کی تحریر کا حسن بننے کے بجائے عیب بن جاتی ہے۔ وہ روانی میں نہ پیر اگر افون کا خیال رکھتے ہیں جملوں کی طوالت کو دھیان میں لا تے ہیں۔ جس سے ان کی تحریر میں بے ربطی پیدا ہو جاتی ہے۔

## ناقدین کی آراء :

- ”حالی کے یہاں سر سید سے بھی زیادہ جیاتلا اندازِ فطرت پرستی نظر آتا ہے۔“ (پروفیسر آل احمد سرور)

- ”حالی کا اسلوب تحریر بہت صاف اور سادہ ہے۔“ (ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)
- ”حالی نے اپنے قدم ادبی سرمائے کو پرکھنے اور اس میں اچھے کو برے سے الگ کر لینے کے راز بتاتے۔“ (پروفیسر احتشام حسین)
- ”حالی سے اردو ادب میں ایک نئی ریلیزم یا واقعیت کی ابتداء ہوئی۔“ (مجنوں گورکھپوری)
- ”حالی کا انداز تحریر سادہ اور سلیمانی ہے وہ زبان سے زیادہ مطلب پر توجہ دیتے ہیں اور آرائشِ زبان کو ثانویٰ حیثیت دیتے ہیں۔“ (ڈاکٹر وحید قریشی)
- ”حالی جیسے بھی ہیں انھیں جدید گروہ کی لائق فخر پیشوائی کے لیے چھوڑ دیجیے۔“ (مہدی افادی)
- ”حالی نظم اور نثر دونوں کے اعتبار سے اردو کے عظیم ادبیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔“ (ڈاکٹر سید عبد اللہ)

☆.....☆.....☆

## خواجہ حسن نظامی

**ایک تعارف :**

رقصان ہے لفظ لفظ میں اک موج زندگی  
بخشا ہے اُس نے نثر کو صد کیفِ نغمگی  
خواجہ حسن نظامی حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں 25 دسمبر 1878ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد  
محترم سید امام، درگاہ سے وابستہ تھے۔

خواجہ علی حسن نظامی اردو انشاء پردازی کے ایک مشہور و معروف ادیب گزرے ہیں۔ ان کے دلچسپ اور اثر انگیز افسانے ان کی شہرت کا باعث بنے۔ علم و دوست شخصیتوں نے علی حسن کے سفر ناموں، افسانوں اور مضاہیں کو اپنے کتب خانوں کی زینت بنایا اور بہت کم عمر میں ہی وہ ایک صاحب طرز نشر نگار کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔ انہوں نے معمولی مضاہیں خوبصورت اور دل نشین انداز میں رقم طراز کئے اور اردو نثر کو جدت کی راہ پر گامزن کر دیا۔ آپ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں :

”اگر میں خواجہ حسن نظامی جیسی نثر لکھنے پر قدرت رکھتا ہو تو مجھی شاعری کو اظہارِ خیال کا ذریعہ نہ بناتا۔ بلاشبہ اردو نثر نگاروں میں خواجہ حسن نظامی کی ذات قابل قدر ہے اور وہ ایک منفرد گنگ کے مالک ہیں۔“

**چند تصنیفات :**

دہلی کا آخری سانس	بیگمات کے آنسو	بہادر شاہ کا مقدمہ	آپ بیتی
بیوی کی تعلیم	اوہاد کی شادی	غدرِ دہلی کے افسانے	خاک بیتی
اوہاد نامہ	شہزادی کی بپتا	طہرانچہ برخسارِ زیب	میلاد نامہ

## طریقہ تحریر کی خصوصیات:

خواجہ حسن نظامی کے طریقہ تحریر کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

### (۱) سادگی و سلاست:

خواجہ حسن نظامی زبان و بیان کی سادگی سے کام لیتے ہیں اور نہایت سمل زبان کو استعمال کرتے ہوئے بڑے مشکل مطالب بیان کر جاتے ہیں۔ عام فہم الفاظ کے خوبصورت استعمال کی بدولت ان کے نثر کی خوبصورتی برقرار رہتی ہے اور بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا۔ بقول رام بابو سکسینہ:

"خواجہ صاحب کی تحریریں نہایت سادہ، سلیمانی اور دلکش ہوتی ہیں۔"

### (۲) شوخی و ظرافت:

زبان کی چاشنی اور چکلکوں سے خواجہ حسن نظامی نے اپنی تحریروں میں مزاح کارنگ پیدا کیا ہے۔ وہ جب بھی مزاح کی چکلی لیتے ہیں تو عام اور سیدھی بات کو گلاب کی سی رعنائی بخش دیتے ہیں۔ ان کے مضمون میں عبارات ظرافت، شوخی اور لطافت کی چاشنی سے معمور نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر وہ اپنے ایک مضمون پیاری ڈکار میں لکھتے ہیں:

"یہ نئے فیشن کے پھر کو زور سے ڈکار نہیں لینے دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ڈکار لینے لگے تو ہونٹوں کو بھیجن لو اور ناک کے نہنسوں سے اُسے چُپ چاپ اڑا دو۔ آواز سے ڈکار لینی بڑی بد تمیزی ہے۔"

### (۳) ندرتِ موضوعات:

خواجہ صاحب کا کمال فن اُس وقت عروج پر نظر آتا ہے جب آپ کے انوکھے اور اچھوتوئے مضمون نظر سے گزرتے ہیں۔ انہوں نے نہایت انوکھے موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے اپنی مہارت کی معراج کو پایا اور بڑی خوبصورتی سے ان مضمون کو پُر کیف بنادیا۔ ایک مضمون گلاب تمحارا کیکر ہمارا میں لکھتے ہیں:

آخریہ میاں گلاب کس مرض کی دوانہیں۔ پیٹ میں درد ہو تو گل قند کھلاو، ہمیشہ ہو جائے تو گلاب پلاو اور اگر مر جاؤ تو قبر پر چڑھاؤ۔

### (۴) عارفانہ و صوفیانہ طرزی بیان:

ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ حسن علی ایک صاحبِ دل صوفی بھی تھے۔ رشد وہدایت کی مسند انہیں ورثے میں ملی تھی۔ وہ اپنے خیالات کو قلم بند کرتے ہوئے معرفت الہی کے رنگ میں بڑی خوبصورتی سے پروردیتے ہیں۔ اسلوب میں والہانہ جوش اور ایک سچے عاشق کے دل کی صدائی دیتی ہے۔ بقول رام بابو سکسینہ:

"خواجہ صاحب کی کتاب کرپشن بیتی کو اہل اسلام اور خاص کرا باب تصوف نے بہت پسند کیا۔"

### (۵) محاورات و اختصار پسندی:

نثرنگار کے مضمون کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کی تحریروں میں فقرات مختصر اور جامع ہوتے ہیں۔

آپ آزاد کی طرح چھوٹے مگر با محاورہ جملے ترتیب دیتے ہیں جن میں روانی اور لطافت کا عضر نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ آپ کی تحریروں میں تسلسل کا دار و مدار انھیں مختصر، سادہ و شیرین جملوں پر ہے۔

#### (۶) جذباتِ نگاری:

خواجہ حسن نظامی کی تحریریں انسانی زندگی کے سچے واقعات کی عکاس ہیں۔ آپ ان واقعات کو ترتیب دیتے ہوئے جذبات کے اظہار کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ مطالعہ کرنے کے بعد قاری کے دل و ذہن پر متاثر کن اثر باقی رہتا ہے جو قاری کے دلی جذبات سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ بیگمات کے آنسو میں وہ لکھتے ہیں :

"مجھے بخار چڑھ رہا ہے۔ میری پسلیوں میں شدت کا درد ہو رہا ہے۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ میری ماں مجھ سے بچھڑکتی ہے اور بابا حضرت جلاوطن ہو گئے۔ میں اینٹ پر سر رکھے لیٹی ہوں۔ میرے بدن میں کنگر چھڑ رہے ہیں۔ بابا اٹھو! کب تک سو گے؟"

#### (۷) ملکی زبان :

خواجہ حسن نظامی دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے اسی لئے ان کی تحریروں کی زبان خالص دہلی کی ملکی زبان ہے۔ وہ اہل زبان کے روزمرے اور محاورے کو بڑی بے سانگتی سے استعمال کرتے ہیں۔

#### (۸) خوشگوار طنز :

خواجہ صاحب کی تحریروں کا مقصد ماضی کی تہذیبی اور معاشرتی اقدار کی بازیافت ہی نہیں بلکہ مستقبل کی تعمیر و تشکیل بھی ہے۔ اسلئے ان کی تحریروں میں خوشگوار طنز پایا جاتا ہے جو قاری کو لمحہ فخریہ میا کرتا ہے۔

#### (۹) جدت پسندی :

حسن نظامی اپنی جدت کی بناء پر مشور ہیں۔ ان کی تحریروں میں بھی جدت کا رنگ نمایاں ہے اور خاص طور پر ان کی تحریروں کے عنوانات تو بہت ہی انوکھے ہوتے ہیں مثلاً فرام قبلہ ٹو شملہ، جھینگر کا جنازہ، پھر کا اعلان جنگ، اینٹ چونے کا وصال، چھکیاں اور گدگیاں وغیرہ۔

#### (۱۰) جنگِ آزادی کے واقعات :

خواجہ حسن نظامی نے 1857ء کی جنگِ آزادی کے واقعات پر تحریریں لکھیں اور تاریخی حقیقتوں کو افسانے کے رنگ میں پیش کیا۔ اس سے ان کا مقصد صرف اس کیفیت کا بیان ہے جس سے مغلوں کی نئی نسل کو زوال حکومت کے بعد دوچار ہونا پڑا اور ان مظالم کو آشکارا کرنا تھا جو انگریزی تسلط کے بعد مسلمانوں کو برداشت کرنا پڑے۔

#### ناقدین کی آراء :

\*.... علامہ

"میں شعر کہنا چھوڑ دیتا اگر مجھے حسن نظامی جیسی تحریر پر قدرت ہوتی۔"

\*.... علامہ شبی نعمانی کہتے ہیں :

”خواجہ صاحب نثر میں ایسی بے نظیر شاعری کرتے ہیں جس کا اثر آج کل کی نظموں میں بھی بہت کم پایا جاتا ہے۔“

\*.... رام بابو سکینہ کہتے ہیں :

”خواجہ حسن نظامی صوفی صحافی ہونے کی وجہ سے با اثر شخصیت کے مالک تھے۔“

\*.... صلاح الدین احمد کہتے ہیں :

”خواجہ صاحب کو رنج و الم کے مضماین بیان کرنے کا جو سلیقہ ہے اُس میں علامہ راشد الخیری کے علاوہ ان کا کوئی ہم پڑھنیسیں۔“

\*.... بابائے اردو مولوی عبدالحق بیان کرتے ہیں :

”اگر تم صاف سترھری اور نکھری ہوئی اردو پڑھنا اور سیکھنا چاہتے ہو تو خواجہ صاحب کی تحریر پڑھو۔ زبان کے مزے کے ساتھ دلی کی کیفیات اور جذبات کا لطف بھی آتے گا۔“

\*.... ڈاکٹر گلیم الدین احمد کہتے ہیں :

”خواجہ صاحب کا اصل رنگ، خواجہ صاحب کی اصلی اہمیت ان کی انشاء ہے۔ وہ نہایت ہی سادہ اور پُر تکلف طرز میں لکھتے ہیں۔“

☆.....☆.....☆

## مشی پریم چند (دھن پت رائے)

مشی پریم چند کا شمار اردو کے اہم ترین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے، اور بھی افسانہ نگاری میں لیکن افسانہ نگاری کے فن میں جو کمال انہیں حاصل ہے کسی اور کو نہیں۔ پریم چند نے معاشرے کے تلخ خطاں کو بے نقاب کیا۔ ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ سن ۱۹۰۵ء میں اردو کا پہلا افسانہ ”انمول رتن“ لکھ کر اردو ادب میں افسانہ نگاری کا باقاعدہ آغاز کیا۔ پریم چند نے برطانوی سامراج کے خلاف تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان تحریکوں نے ان کے ادبی شعور پر گھرے اثرات مرتب کیے۔ ان کے مشور افسانے ”بڑے بھائی صاحب، حج اکبر، زیور کا ذبہ، دودھ کی قیمت، دو بہنیں اور کفن“ ہیں۔

**مشور تصانیف:**

بازارِ حسن	میدانِ عمل	گتو دان	غبن
چوگان ہستی	بیوہ		

### پریم چند کی افسانہ نگاری:

جس طرح میر دنیا نے غزل میں ہیں، اسی طرح پریم چند دنیا نے افسانہ میں یہ گانہ روزگار سمجھے جاتے ہیں۔ یہ محض ایک اتفاق ہے کہ اردو افسانے کو ابتدائی دور میں ہی دو ایسے افسانہ نگار مل گئے جو ایک دوسرے سے قطعی مختلف مزاج رکھتے تھے۔ پریم چند ایک رجحان کی ترویج کر رہے تھے اور سجاد حیدر دوسرے نظریے کے علمبردار تھے۔ لیکن پریم چند کی مقصدیت سجاد حیدر یلدزم کی روانیت پر بازی لے گئی۔ مقصدیت اور اصلاح کے پہلو نے پریم چند کے فن کو اتنا چمکا دیا کہ انہیں سجاد حیدر سے بہت زیادہ مقلد مل گئے۔

### مختلف ادوار:

پریم چند کی افسانہ نگاری میں بتدریج ارتقاء نظر آتا ہے۔ ان کے پہلے افسانوی مجموعہ "سو ز وطن" سے لے کر آخری دور کے مجموعوں "واردات" اور "زادراہ" کے افسانوں میں بڑا واضح فرق محسوس ہوتا ہے۔ ان کی افسانہ نگاری کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

✿ - پہلا دور (۱۹۰۹ - ۱۹۲۰) : اس دور کے افسانوں میں رومانی تصورات نمایاں ہیں۔

✿ - دوسرا دور (۱۹۲۰ - ۱۹۳۶) : اس

✿ - تیسرا دور (۱۹۳۶ - ۱۹۴۲) : اس مختصر اور آخری دور میں پریم چند کے ہاں فنی عظمت اور موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے۔ اپنے آخری دور میں انہوں نے ناقابلِ فراموش افسانے لکھے۔

### (۱) مقامی رنگ:

پہلے دور کے ابتدائی سالوں میں داستانوی اور رومانی رنگ غالب ہے۔ جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر پریم چند اپنا پہلا افسانوی مجموعہ "سو ز وطن" کے نام سے ۱۹۰۹ء میں زمانہ پریس کا پور سے چھپواتے ہیں جو انگریز سرکار کو "خطرہ کی گھنٹی" محسوس ہوتا ہے اور اس کی تمام کاپیاں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ اس کے بعد وہ تاریخ اور اصلاح معاشرہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ اس وقت تک وہ افسانوی تکنیک سے ناواقف تھے اور ٹلسماں ہو شربا کے اسیر تھے۔

### (۲) ہندو تاریخ:

پریم چند کے دل میں ہندو راجوں اور رانیوں کی حوصلہ مندی اور خاندانی روایات کی پاسداری کا بڑا احترام تھا۔ "رانی سارندھا" میں انہوں نے ہندو قوم کے ماضی کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان سب افسانوں میں کسی نہ کسی تاریخی واقعہ کو دہرا کر ہندو قوم کو اسلام کے کارنامے یاد دلانا مقصود ہے۔

### (۳) اصلاح معاشرہ:

ان تاریخی اور نیم تاریخی افسانوں کے بعد اپنے دوسرے دور میں پریم چند نے قومی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دی، انہوں نے ہندو معاشرے کی قیمع رسم و قلم اٹھایا اور بیوہ عورت کے مسائل، بے جوڑ شادی، جہیز کی لعنت اور

چھوٹ پھات جیسے موضوعات پر افسانے لکھے۔ اس دور میں وہ ایک مصلح کی حیثیت سے اپنے معاشرے کو احترام انسانیت اور مشرقی و مغربی تہذیب کے فرق اور اخلاق اقدار کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

### (۳) سیاسی موضوعات :

افسانہ نگاری کے دوسرے دور میں پریم چند سیاست کے بھکریوں میں الجھ گئے تھے۔ یہ دور بر صغیر میں تحریکوں کا دور تھا۔ تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون، تحریک سستہ گرد، سول نافرمانی وغیرہ۔ وہ اگرچہ کوئی سیاسی آدمی نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے باقاعدہ طور پر سیاست میں حصہ لیا۔ لیکن شاید وہ سماجی موضوعات کے ساتھ ساتھ سیاسی موضوعات پر بھی کھل کر اظہارِ خیال کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے سرکاری ملازمت کا جواگے سے اتار پھینکا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے افسانوں میں سیاست کا رنگ بھی جھلتا ہے۔

### (۴) دیہاتی زندگی :

افسانہ نگاری کے دوسرے دور میں پریم چند نے دیہاتی زندگی کی طرف بھی توجہ دی کیونکہ پریم چند کا تعلق دیہات سے تھا اس لیے انہوں نے دیہاتی زندگی کے مسائل کو اپنے بیشتر افسانوں کا موضوع بنایا۔ وہ دیہاتیوں کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے کسانوں اور مزدوروں کے دکھوں کو اپنے نوک قلم سے معاشرے میں اجاگر کرتے ہیں۔ ”پوس کی رات“، ”سواسیر گیوں“ اور ان کے دیگر افسانے کسانوں کی غربت و افلas کی عکاسی کرتے ہیں۔

### (۵) فنی عظمت :

پریم چند کے افسانوں کا آخری دور مختصر عرصے پر محیط ہے لیکن یہی دور ان کی نظریات کی پختگی اور ترویج کا دور بھی ہے اس دور کے افسانوں کے موضوعات بھی سیاسی زندگی سے متعلق ہیں لیکن فن اور معیار کے اعتبار سے پچھلے دونوں ادوار کے مقابلے میں بہت بلند ہیں۔ اس دور میں ان کا فن بتدریج ارتقائی منازل طے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ”کفن“ جیسا افسانہ لکھ کر انہوں نے دنیا کے ادب میں اپنی فنی صلاحیتوں کا لواہ منوایا۔

### (۶) بہترین اسلوب :

آخری دور کے افسانوں میں پریم چند ایک عظیم افسانہ نگار کھاتی دیتے ہیں اس دور کے افسانے مقامی ہونے کے باوجود آفاقی کملانے کے مستحق قرار دیے جاسکتے ہیں کیونکہ اب ان کے افسانوں میں وہ تمام خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں جو اچھے اور معیاری افسانوں کا خاصہ سمجھی جاتی ہیں۔ ان کی زبان بھی صاف ہو گئی تھی اور اندازہ سیان میں بھی دلکشی آگئی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے خوبصورت جملے استعمال کرنے لگے تھے۔ سادگی و پرکاری، متنانت و سنجیدگی ان کی تحریر کے جوهر تھے۔ منظر کشی میں بھی انہیں کمال حاصل ہو گیا۔

### (۷) تنوع مضمایں :

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پریم چند نے اپنے افسانوں میں زندگی کے ہر دو پلوؤں المیہ و طربیہ کو سمودیا ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہر طبقے کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ روہیلوں، بندیلوں اور راجپتوں کی جنگ جو یانہ صفات اور جرأت مندانہ اقدار کا ذکر بھی کرتے ہیں اور ہندو مہاجنوں، ساہو کاروں، سیمھوں اور زینداروں کے ظلم و تشدد اور گھناؤ نے کرداروں کو بھی بے نقاب کرتے ہیں اور غریب کسانوں، مفلس کاشتکاروں اور نیچی ذات کے چماروں کی بے بسی اور بے کسی کی المناک داستانیں رقم کرتے ہیں۔

#### (۹) انسانی نفیات:

پریم چند کے افسانے نفیاتی مطالعہ اور مشاہدہ پر ہیں۔ اس چیز سے پریم چند نے اس قدر کام لیا ہے کہ وہ ان کے طرز بیان کی ایک خصوصیت بن گئی ہے۔ مثلاً وہ جملوں میں جہاں تشبیہات کا استعمال کرتے ہیں تو انہیں نفیاتی محسوسات کو کام میں لاتے ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے :

”ایک یقین بچہ ماں کا تذکرہ سن کرو نے لختا ہے۔ اسی طرح اور پھاکی کی یاد سے چھپت رائے کی آنکھوں میں آنسو چھلک آتے۔“

#### (۱۰) حقیقت اور مقصدیت:

مجموعی حوالے سے پریم چند کے ہاں جذبات نگاری بھی، تنقید چیات ہے اور ترغیب و اصلاح بھی۔ اور یہی وہ معاشرتی اور سیاسی شعور تھا جس نے پریم چند کو حقیقت پسند افسانہ نگار بنایا اور پھر ان کے افسانے اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی تقاضوں کی ترجیح کرنے لگے۔ ان کے افسانوں میں ملک و قوم کے لیے ایثار و محبت کے جذبے بیدار ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ پریم چند نے ایک ماہر نفیات کی طرح مکوم قویتوں کو عزم و ہمت کے گرسکھائے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ انسان دوستی اور وطن دوستی کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں۔ انہوں نے تخلیقی جلت کو مخفی افسانہ نگاری کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ اس میں مقصدیت کی روح کو سمو کر ایک مصلح قوم کا کردار بھی ادا کیا ہے۔

#### ناقدین کی آراء:

اس حقیقت سے واقعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ معیار و مقدار کے اعتبار سے پریم چند نے اردو ادب میں افسانے کی روایت کو مستحکم کیا اور انہوں نے ہی اردو افسانے کو ارتقائی منازل تک پہنچایا۔ مختصر اردو افسانے کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

مولوی عبدالحق کہتے ہیں :

”افسانہ نگاری میں ان کا وہی مرتبہ ہے جو شاعری میں مولانا حالی کا۔“

ڈاکٹر انور صدیقی کہتے ہیں :

”انہوں نے زبان کا بھی نیا تصور اور مقامی رنگ پیدا کر کے نیا انداز بھی پیدا کیا۔“

ڈاکٹر فردوس انور قاضی کہتے ہیں :

”پریم چند کا قلم نہ صرف سفاک ہے بلکہ اس میں سے بھی بھی زہر پکنے لختا ہے۔“  
خواجہ زکریا کہتے ہیں۔

”اردو کے بہت کم افسانہ نگار معیار مقدار میں ان کی برابری کر سکتے ہیں۔“

ڈاکٹر احسن فاروقی کہتے ہیں :

”وہ مختصر افسانے کے صاحب کمال ہیں اور ناول میں ان کی کامیابی اکتسابی ہے۔“

پروفیسر احتشام حسین کہتے ہیں :

”ان کے سیاسی شعور میں سماجی شعور بھی شامل تھا۔“

☆.....☆

## احمد ندیم قاسمی

تعارف :

احمد ندیم قاسمی مختلف اصناف ادب کی تحقیق اور تخلیق میں مصروف رہے جن میں نظم، غزل، افسانہ، کالم نویسی، بچوں کی کتب، تراجم، تنقید اور ڈرامے وغیرہ شامل ہیں۔

خاندانی نام احمد شاہ، ادبی نام احمد ندیم قاسمی اور تخلص ندیم ہے۔ آپ کے والد پیر غلام نبی اپنے وقت کے اہل اللہ تھے۔ بی۔ اے کرنے کے بعد ”تہذیب نسوان“ اور ”پھول“ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد بہت سے جرائد میں مدیر کی حیثیت سے کام کیا۔ ”جنگ کراچی“ اور ”امروز“ میں کافی عرصہ ”عنقا“ کے قلم نام سے کالم تحریر کرتے رہے۔ آپ شاعر بھی ہیں اور افسانہ نویس بھی۔ مدیر بھی ہیں اور کالم نویس بھی۔ ہر میدان میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

(۱) مقصدیت :

احمد ندیم قاسمی ایک با مقصد ادیب ہیں۔ ان کے ابتدائی افسانوں میں مقصدیت کا کھلم کھلا اظہار ہے جبکہ فن کی ترقی کے ساتھ اصلاح معاشرت کا مقصد فنی پر دوں میں چھپ کر سامنے آتا ہے۔ دیہات کی معاشرتی اصلاح کے سلسلے میں پریم چند کے بعد ان کا نام لیا جاسکتا ہے۔ وہ بھی اصلاح اور مقصدیت کے پہلو سے غافل نہیں ہوتے۔

(۲) پنجاب کی دیہاتی زندگی

احمد ندیم قاسمی کو خصوصی طور پر پنجاب کی دیہاتی زندگی کا عکاس افسانہ نگار کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دیہی پس منظر میں لکھے گئے ندیم کے افسانے ہمارے دیہاتی زندگی، وہاں کی طرز معاشرت، رہن سُن، طبقاتی نظام،

معصومیت اور الہ پن کے دلکش جیتے جا گئے مرقعے ہیں۔ اردو میں پنجاب کے دیہات کے پس منظر میں اس سے خوبصورت کہانیاں اور کسی نے نہیں لکھیں۔

### (۳) زندگی اور معاشرے کا شعور:

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کے بنیادی موضوعات وہ معاشرتی قد غمینی ہیں معاشری ناہمواریاں ہیں جو ہماری زندگی میں قدم قدم پر موجود ہیں اور بھیس بدل کر ہمارا استھان کرتی ہیں انہی کی وجہ سے ظلم و انتقام کی بے شمار شکلیں ہمارے سامنے آتی ہیں اور سیاست و مذہب کے ٹھیکیدار اپنے مفادات کی بقا کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر ان فالصلوں کو ہوادیتے رہتے ہیں۔

### (۴) جنگ عظیم کے اثرات:

قاسمی صاحب کے افسانوں کے موضوعات میں مقامی جنگوں کے علاوہ عالمی جنگیں بھی ہیں۔ ان کے ایسے افسانوں میں خصوصیت کے ساتھ ”ہیر و شیما“ سے پہلے، ”ہیر و شیما“ کے بعد ”کانام لیا جا سکتا ہے“ جواردو کے بہترین اور بڑے افسانوں میں سے ایک ہے اور جس سے ہمیں یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ جنگیں اپنے اختتام کے باوجود بھی ایسے کئی سماجی مسائل پیدا کر جاتی ہیں جن میں نہ انسانوں کی عزت و عصمت محفوظ رہتی ہے نہ خاندانوں کی عظمت و آبرو۔

### (۵) تنوع مضمایں:

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں موضوعات بڑے تنوع ہیں۔ معاشری ناہمواری، دیہات میں پھیلی ہوئی ناداری، جالت اور بے کسی، شہری زندگی کا کھوکھلا پن، ظاہر و باطن کا تضاد، سیاست و مذہب، جنگ و امن اور حسن و عشق وغیرہ وغیرہ۔

### (۶) حقیقت پسندی:

احمد ندیم قاسمی ایک شاعر ہونے کے باوجود ایک حقیقت پسند افسانہ نگار ہیں۔ وہ خیالوں کی دنیا میں نہ خود بھٹکتے ہیں اور نہ ہی اپنے قاری کو بھٹکاتے ہیں۔ اسی ماحول اور اسی دنیا کے گوناگوں معاشرتی مسائل ان کا موضوع ہیں اور قاسمی صاحب ان کی حقیقی تصویر اپنے قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ انسانی فطرت کے بہت اچھے نباض ہیں۔

### (۷) غیر جانبداری:

فسادات کے موضوع پر لکھتے ہوئے بہت سے اہل قلم صرف تصویر کا ایک رخ بے ان کرتے ہیں۔ پاکستان سے تعلق رکھنے والوں نے غیر مسلموں کے ظلم و تشدد کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور ہندوستان کے لکھاریوں نے مسلمانوں کو اس بربادیت کا ذمہ دار ٹھہرا یا اور اس نکتہ نظر سے لکھے گئے بہت سے افسانے جانبداری اور رواداری کی گرد میں ہمیشہ کے لیے گم ہو گئے۔ تاہم نہ کوئے بعد ندیم وہ اہم افسانہ نگار ہیں جس نے اپنے افسانوں میں یہ بات کہنے کی جسارت کی کہ انسان

دوسٹی کے عناصر آفاقتی ہیں یہ صرف مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں تک محدود نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا افسانہ ”پریشور سنگھ“ بہت ہی اہم ہے۔

#### (۸) کردار نگاری :

ان کے افسانوں کے کردار مثالی نہیں۔ نہ وہ محض فرشتہ ہیں اور نہ محض شیطان۔ ان کے کردار اسی دنیا کے عام کردار ہیں۔ جن میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔ ہر کردار اپنے طبیقے کی بھروسہ عکاسی کرتا ہے۔ ان کے افسانے ”گند اسا“ کا کردار ”مولا“، ”ثواب“ کا کردار ”مولوی ابوالبرکات“، ”کفن دفن“ کا کردار ”میاں سیف الحق“ چند زندہ جاوید کردار ہیں۔

#### (۹) دلچسپی اور تجسس :

قاسی کے افسانوں میں دلچسپی اور تجسس کے عناصر نمایاں ہیں۔ افسانوں کی ابتداء، عروج اور انتہاء اس قدر مربوط ہوتی ہے کہ پڑھنے والے کی دلچسپی آخر تک قائم رہتی ہے۔ وہ کہیں بھی بوریت کا شکار نہیں ہوتا۔ تجسس کا پہلو سے اس بات کا مبتلاشی رکھتا ہے کہ آئندہ کیا ہو گا؟ کون سا واقعہ رونما ہو گا؟ انجمام کیا ہو گا؟  
ناقدین کی آراء :

پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں :

”احمد ندیم قاسی افسانہ نگاروں کی پہلی صفت میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔“

سید وقار عظیم کہتے ہیں :

”ان کی کہانیاں زندگی کے زہر اور اس کے تریاق کی کہانیاں ہیں۔“

ڈاکٹر انور سید لکھتے ہیں :

”ندیم کے یہاں ترقی پسند رویہ الکتابی ہے۔“

☆.....☆.....☆

## آغا حشر کا شمیری

تعارف :

آغا حشر کا شمیری نے اردو ڈرامے کو فرش سے اٹھا کر عرش نشین کیا۔ اردو ڈرامہ نگاری میں ان کا مقام نہایت بلند ہے۔ ان سے قبل اردو ڈرامہ گھٹنوں کے بل چل رہا تھا۔ آغا حشر نے اسے پیروں پر کھڑا ہونا، چلنا اور دوڑنا سکھایا۔ روانی و شوخی، رومانیت و مثالیت، شعریت و فقرہ بازی جیسی انفرادی خصوصیات ملتی ہیں۔ ان کے ڈراموں کو پڑھ کر یہ

اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے وہ ڈرامہ نگاری کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اردو ڈرامہ نگاری کی صد سالہ تاریخ میں جو مقبولیت حشر کے حصے میں آئی وہ کسی اور ڈرامہ نگار کا مقرر نہیں بن سکی۔

### مشور ڈرامے:

آغا حشر نے کل اڑتیس (38) ڈرامے لکھے جن میں فلمی کہانیاں بھی شامل ہیں۔ آغا حشر کے اردو ڈراموں میں خواب ہستی (۱۹۰۸ء)، خوبصورت بلا (۱۹۰۹ء)، اسیر حرص (۱۹۰۱ء) مرید مشک (۱۸۹۹ء) شہید ناز (۱۹۰۲ء) سفید خون (۱۹۰۶ء) یہودی کی لڑکی (۱۹۱۱ء) رسم سہراب (۱۹۲۹ء) ترکی حور (۱۹۲۲ء) وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

### آغا حشر کی ڈرامہ نگاری:

آغا حشر کا شمسیری کی ڈرامہ نگاری کی نمایاں خصوصیات ذیل میں درج ہیں۔

#### (۱) مکالمہ نگاری:

آغا حشر مکالمہ نگاری کے بانی ہیں۔ ان کے مکالمے زبان سے نکلتے ہیں اور دل میں اترتے چلتے جاتے ہیں۔ اور دیکھنے والے ان کا اور سننے والے ان کا وہی تاثر لیتے ہیں جو آغا حشر دینا چاہتے ہیں۔ ان کا ڈرامہ "خوبصورت بلا" اس سلسلے میں بہت مشور ہے۔

#### (۲) رومانیت اور مثالیت:

آغا حشر کے یہاں قدیم ڈرامہ نگاری کی طرح رومانیت اور مثالیت بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ ہنگامہ خیزی، بے جا عبارت آرائیاں، جگہ جگہ شعر گوئی، شاعرانہ اندازیاں، جذباتی مکالمات اور اس کے ساتھ سطحی جذبات کا سطحی اظہار بیان یہ تمام عناصر آغا حشر کے یہاں بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ اپنی جادوگری کا مظاہرہ کرتے ہیں جو دلوں کو تھام لیتی ہے۔

#### (۳) کردار نگاری:

حشر کو کردار نگاری میں ملکہ حاصل ہے۔ ان کے کردار بالعموم مثالی نہیں ہیں۔ ان کے کردار بری صحبت اختیار کر کے گمراہ ہو جاتے ہیں اور ٹھوکریں کھا کر بالآخر راہ راست پر آ جاتے ہیں۔ تاہم ان کے کردار حقیقی کردار ہوتے ہیں جن کا تعلق ہماری معاشرتی اور سماجی زندگی سے بہت قریبی اور حقیقی ہوتا ہے۔ ان کے مکالمے، ان کے طرز عمل، ان کے بہاس، ان کی وضع قطع، ان کی چال ڈھال غرض ان کا یک ایک اندازا پہنچنے وقت، ماحول تہذیب، تدن، معاشرہ اور سماج کا جیتا جا گتا پیکر ہوتا ہے۔

#### (۴) خود کلامی:

خود کلامی ڈرامے کی جان ہوتی ہے۔ ذہنی ابحاث، خوشی یا غم کے موقع پر کوئی کردار سے خود باتیں کرنا شروع کر دیتا

ہے جو اس کی ذہنی ابجھن و کیفیت کا آئینہ ہوتی ہے۔ حشر کے مشور ڈرامے رستم و سراب میں رستم کی خود کلامی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ عکسِ تحریر درج ذیل ہے:

”کیا کیا؟ کیا کیا؟ اندھے پاگل جلا! یہ کیا کیا؟ شیر جیسا خونخوار، بھیڑتے یئے جیسا ظالم، ریچھ جیسا موذی۔ جیوان بھی اپنی اولاد کی جان نہیں لیتا۔ لیکن تو انسان ہو کر جیوان سے بھی زیادہ خونی اور جسم سے بھی زیادہ بے رحم ہے۔“

#### (۵) مزاح نگاری:

پارسی اور عیسائی کمپنیوں کے دور میں جو بھی ڈرامے لکھے گئے وہ صرف پیسہ کمانے کے لئے لکھے گئے۔ اس لئے ڈرامہ نگار مجرور تھا کہ وہ عوام کے مزاح کا خیال رکھے۔ پھٹکڑ بازی اور مسخرے پن سے عوام کو تفریح میا کرے۔ اس لئے حشر نے بھی اپنے ابتدائی دور میں ایسے ہی ڈرامے تشكیل دیے لیکن آخری ادوار میں ان کے ڈراموں کا معیار بہت بلند ہو گیا۔

#### (۶) اندازِ خطابت اور شعر کا بر محل استعمال:

آغا حشر ایک کامیاب ڈرامہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قادر الکلام شاعر اور جذباتی قسم کے خطیب تھی۔ شاعرانہ صلاحیت، مزاج کی بے تکلفی اور شکنگنگی ان کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ لیکن جس چیز نے انہیں مقبولیت بخشی اور ڈرامہ کی دنیا میں بام عروج پر پہنچا دیا وہ ان کا اندازِ خطابت، برجستہ گوئی اور شعر کا بر محل استعمال ہے۔ ان کی مکالموں میں خطیب کے لمحے کی گھن گرج پانی جاتے ہے جس نے ان کے ڈراموں کو عوام اور خواص دونوں میں مقبول بنادیا۔

#### (۷) قدیم ہندوستانی تہذیب:

حشر کے چند ڈرامے ایسے ہیں جو قدیم ہندوستانی تہذیب و معاشرت اور ہندو دیومالا یعنی راماائن اور مہابھارت کے قصوں پر مشتمل ہیں۔ جیسے ”بلوا منگل عرف سوراوس، بن دیوی، مدھ مرلی، سیتا بن باس اور بھیشمش پرتگیا“ وغیرہ۔ ان ڈراموں کی زبان زیادہ تر ہندی ہے۔

#### (۸) معاشرتی اصلاح:

اسی طرح کچھ ڈرامے ایسے ہیں جو معاشرتی، اصلاحی اور سیاسی موضوعات سے متعلق ہیں۔ جیسے ”خوبصورت بلا، ترکی حور، ٹھنڈی آگ، آنکھ کانشہ، پہلپیار، دل کی پیاس اور رستم و سراب“ وغیرہ۔

#### (۹) انسانی اقدار کا احترام:

حشر کے فن میں ایک تدریجی ارتقائی عمل ملتا ہے۔ ان کے کرداروں میں ادوار کے لحاظ سے زیادہ پتھنگلی، گھرائی اور گیرائی نظر آتی ہے۔ چونکہ حشر نے اپنے کرداروں سے فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح کا کام لیا ہے اس لیے ان کے اندر وون میں جھانک کر ان کی نفسیاتی کشمکش کا جائزہ لیتے ہوئے انھیں انسانی اقدار کا احترام بھی سکھایا۔

**ناقدین کی آراء:**

**پروفیسر حفیظ احسن کہتے ہیں :**

ایک قادر الکلام اور شیریں بیان شاعر ہونے کی وجہ سے حشر کے ڈراموں کی زبان میں بلکی روانی ہے۔

**پروفیسر طاہر شادانی کہتے ہیں :**

جبات کی تصویر کشی میں آغا حشر ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

**پروفیسر حفیظ احسن کہتے ہیں :**

آغا حشر کا ہر کردار اپنے مخصوص معاشرتی ماحول کی زبان بوتا ہے۔

**ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں :**

آغا حشر نے ڈرامے کو بلند کیا۔ اس میں معاشرتی اور اصلاحی پہلو بھی اجاگر کیے۔

☆.....☆.....☆

## سید امتیاز علی تاج

**تعارف :**

امتیاز علی تاج کو ادبی ذوق و رثے میں ملا تھا۔ ان کے ادبی ماحول میں علامہ اقبال، حکیم احمد شجاع، صلاح الدین اور پطرس بخاری جیسی ہستیاں میسر آئیں۔ ان کے والد لاہور کے مشور مطبع ادارے دارالاشعات پنجاب کے بانی تھے۔ امتیاز علی تاج افسانہ نگار اور مزاح نویس بھی تھے انہوں نے اداکاری بھی کی ہے اور ہدایت کاری بھی۔ انہوں نے پاکستان میں آرٹ کو نسل قائم کی اور ریڈیو کی نشریات کو منظم کیا۔ امتیاز علی تاج کی شهرت کا سبب ان کا مشور ڈرامہ "انارکلی" ہے۔ اس کے علاوہ امتیاز علی تاج کا ایک مشور مزاحیہ کروار چاچکن بھی مشور ہوا۔ ان کے بعض افسانے بھی مشور ہوئے جن میں قرطبه کا قاضی، محاصرہ غربناطہ اور پیبت ناک افسانے ان کے یادگار افسانے ہیں۔

**تحریر کی خصوصیات :**

امتیاز علی تاج کی چیدہ چیدہ تحریری خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

**(۱) صاف اور سادہ زبان :**

امتیاز علی تاج کے افسانوں اور ڈراموں کی زبان صاف اور سادہ ہوتی ہے۔ انہوں نے سوچانہ اور بازاری زبان اختیار کرنے سے گریز کیا نہیں اگر کہیں کوئی محاورہ بھی استعمال کیا ہے تو وہ بھی عام فہم اور واضح۔ اسی وجہ سے ان کے ڈرامے اور افسانے ہر کس وناکس کی سمجھ میں آجائے ہیں۔

## (۲) پلاٹ کی جدت :

امتیاز علی تاج کے ڈراموں میں جدت پائی جاتی ہے خاص طور پر ان کے ڈراموں کے پلاٹ بہت منظم ہوتے ہیں۔ ڈرامے کے پلے ہی منظر میں عموماً تمام کرداروں کا تعارف کرا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کہانی آگے بڑھتی ہے اور پلاٹ واضح ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ اکثر ناقدین امتیاز علی تاج کے ڈراموں کی ترتیب خصوصاً پلاٹ کو سراہتے ہیں۔

## (۳) شوخی اور ظرافت :

امتیاز علی تاج اپنے ڈراموں میں مزاح پیدا کرنے کے لیے محض کردار ہی کا سہارا نہیں لیتے بلکہ واقعات اور ماحول سے بھی کام لیتے ہیں۔ جیسے کہ اپنے مشہور ڈرامے "آرام و سکون" میں ماحول، حالات اور کردار سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کے مزاحیہ کرداروں میں پچاچھکن کا کردار ان کی اپنی اختراع تھی۔

## (۴) بر مخل بر جستہ مکالمہ :

امتیاز علی تاج کے افسانوں اور ڈراموں کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے مکالے بڑے دلچسپ اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ وہ ماحول اور موقعے کی مناسبت سے بر جستہ مکالے تخلیق کرتے ہیں۔ ان کے ڈرامے اور افسانے پسند کیے جانے کی ایک اہم وجہ ان کی یہی بر جستگی اور بر مخل مکالمہ نگاری ہے۔

## (۵) حقیقت کارنگ :

امتیاز علی تاج اپنے ڈراموں میں ایسی کہانیاں پیش کرتے ہیں جس میں حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ زندگی جیتی جائی تصوری نظر آتی ہے۔ جیسا کہ ان کا مشہور ڈرامہ "آرام و سکون" حقیقت سے قریب نظر آتا ہے۔ اگرچہ امتیاز علی تاج کے ڈراموں میں حقیقت کارنگ نظر آتا ہے لیکن کہیں کہیں وہ اس بات کی نفی بھی کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے ڈرامے انار کلی میں حقیقت نگاری کی نفی کی ہے۔

## (۶) دلچسپی :

امتیاز علی تاج کے ڈراموں کی ایک اہم خصوصیت ان کے ڈرامے میں پائی جانے والی دلچسپی ہے۔ ڈرامے کی

## (۷) جاندار کردار :

امتیاز علی تاج کے ڈراموں میں کردار بندی حیثیت رکھتے ہیں ان کے کردار جاندار اور شوخ بھی ہوتے ہیں جیسے کہ ڈرامہ "آرام و سکون" میں بیوی کا کردار بہت جاندار ہے۔ یا ان کا تخلیق کردہ کردار پچاچھکن بھی جاندار اور دلچسپ ہے۔

## (۸) فکر و خیال کی وسعت :

امتیاز علی تاج کا مشاہدہ بہت گہرہ اور تیز تھا وہ اپنے موضوع کی معمولی جزئیات کا بھی احاطہ کرتے ہوئے اپنا مقصد حاصل کر لیتے تھے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں کہ امتیاز علی تاج معمولی سے جزیات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ انکا

ڈرامہ انارکلی پڑھ کر پڑھنے والے کا دل پکار اٹھتا ہے کہ سچ یہ ہے کہ تاریخ ہی ادب کا رومان ہے۔

#### (۹) ماحول کی عکاسی:

امتیاز علی تاج کو ماحول اور منظر کی عکاسی پر پورا عبور حاصل تھا۔ وہ واقعات کا ایسا نقشہ تیار کرتے تھے جس سے جزئیات تک بچپنے نہیں پاتی تھیں۔ انہوں نے اپنے ڈرامہ انارکلی میں مغلیہ شان و شوکت اور جاہ و جلال کو اتنے موثر انداز میں پیش کیا ہے کہ مغلیہ دور کے ماحول کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

#### (۱۰) جذبات کی عکاسی:

ان کے افسانوں اور ڈراموں کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہیں جذبات کی عکاسی پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ انہوں نے مردانہ، زنانہ بچگانہ جذبات اور احساس کی عکاسی شاندار انداز میں کی ہے ان کا ڈرامہ انارکلی جذبات کی عکاسی کا شاہراہ کار ہے۔

#### (۱۱) مغربی اور مشرقی روایات کا امتزاج:

امتیاز انگریزی ادب سے واقف تھے اسی نسبت سے انہوں نے مغربی تکنیک کو اپنایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ مشرقی روایت کو بھی پامال ہونے نہیں دیا ان کا مشور مزاحیہ کردار چاچھکن دراصل انگریزی کردار "انگل پوجر" کا چربہ ہے لیکن اس کی رفتار و گفتار، حرکات و سکنات مشرقی ہیں بلکہ اپنی اختراع کی ہوئی ہیں۔

#### (۱۲) مقصدیت:

امتیاز علی تاج کے ڈراموں میں صرف طنز و مزاح ہی نہیں بلکہ کسی حد تک مقصدیت بھی ملتی ہے وہ معاشرے کے ناپسندیدہ کرداروں کو اپنے ڈراموں اور افسانوں میں بے نقاب کرتے ہیں اس طرح ان کے افسانوں اور ڈراموں میں مقصدیت اور اصلاح کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔

#### (۱۳) متناہت و سنجیدگی:

امتیاز علی تاج کے ڈراموں اور افسانوں میں صرف طنز و مزاح ہی نہیں بعض جگہ سنجیدہ اور مستین کردار بھی نظر آتے ہیں اور یہ کردار ڈرامے یا افسانے کو مزید چسپ بنادیتے ہیں۔

#### ناقدین کی آراء:

\*....ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں :

"ڈراما کی محض عوامی پسند ہونے کی روایت کو امتیاز علی تاج نے بڑی ہمت اور جرات سے توڑا۔"

\*....ڈاکٹر حنیف فوق کہتے ہیں :

"امتیاز علی تاج کی بہت بڑی جیت یہی ہے کہ انہوں نے انسانی جذبات کو ان کے سماج اور ماحول سے مقطوع کر کے پیش کیا۔"

\*....ڈاکٹر عبدالسلام کہتے ہیں :

”اردو ڈرامے کو جدید انداز کی طرف لانے کا سراحتاج کے سر ہے۔“

\*....علامہ اقبال کہتے ہیں :

”انارکلی کی زبان میں روانی اور انداز میں دلفریبی ہے۔“

☆.....☆

## ابنِ انشاء (شیر محمد خان)

تعارف :

ابنِ انشاء اردو ادب کے ان چند مخصوص لوگوں میں سے ایک ہیں جو شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی۔ انہوں نے غزلیں، نظمیں اور گیت لکھے۔ شاعری میں ان کا ایک مخصوص انداز ہے۔ وہ بجھی کبیر داس کا لمحہ اختیار کرتے ہیں اور انسان دوستی کا پرچار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک انسان کو دوسرا سے انسان سے محبت کا سبق دیتے ہیں۔ کہیں اپنے اشعار میں زندگی کی اداسیوں، محرومیوں اور دکھوں کا میر تقی کی طرح اظہار کرتے ہیں اور کہیں نظیر اکبر آبادی کی طرح علاقائی اور عوامی انداز اختیار کرتی ہیں اور بڑی سادگی، روانی اور عوامی زبان میں عوام کے احساس کو اردو ادب کا جامہ پہناتے ہیں۔ نثر کے میدان میں انہوں نے طنز نگاری کا انداز اختیار کیا۔ طنز میں مزاح کی آمیزش نے ان کی تحریروں کو زیادہ پر اثر بنایا دیا۔ عوام سے قریب ہونے کے لئے انہوں نے اخبارات میں کالم نویسی کا آغاز کیا، سفر نامے لکھے، اس طرح اپنے مشاہدات اور تجربات کو طزو مزاح کے پیرائے میں بیان کر کے شہرت حاصل کی۔ اردو ادب کی ان مختلف اصناف میں ابنِ انشاء نے بڑا نام کیا۔ بنیادی طور پر ان کی شہرت ایک سفر نامہ نگار اور مزاح نگار کی سی ہے۔

مشور تصنیف :

شعری کلام :

۱۔ چاند نگر (پہلا مجموعہ)

۲۔ اس بستی کے اک کوچے میں (دوسرा مجموعہ)

۳۔ چینی نظمیں

نشری تصنیف :

حلقے ہو تو چین کو حلقے	خمار گندم	اردو کی آخری کتاب
ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں	دنیا گول ہے	آوارہ گرد کی ڈائری

## طریقہ تحریر کی خصوصیات:

ابنِ انشاء کے طریقہ تحریر کی نمایاں خصوصیات ذیل میں درج ہیں۔

### (۱) تسلسل مشاہدہ:

سفرنامہ چونکہ چشم دید واقعات پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس میں شروع سے آخر تک تسلسل کا ہونا ضروری ہے۔ ابنِ انشاء کے سفرناموں میں یہ خوبی نظر آتی ہے کہ وہ اپنے مشاہدات کو باہم گذہ نہیں کرتے وہ بڑے سلیقے سے مختلف وقایت کو ایک کڑی میں پروتے ہیں۔ ہر مشاہدہ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ وہ تسلسل کے ساتھ ایک منظر کے بعد دوسرا منظر سامنے لاتے ہیں۔ اس طرح ان کا سفرنامہ مشاہدات اور تجربات کا ایک رنگین دفتر بن جاتا ہے۔ وہ تیکھے طنز اور شاستہ مسکراہٹوں سے اپنی تحریر کو اور زیادہ پراثر بنادیتے ہیں۔

### (۲) طنز و مزاح کی آمیزش:

ابنِ انشاء اپنی تحریروں میں طنز و مزاح کو بڑے دلخشن پیرائے میں استعمال کرنے کا فن جانتے ہیں اس لئے ان کے سفرناموں میں طنز و مزاح کی آمیزش سے دلچسپی اور شکستگی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ جملوں اور فقرتوں میں طنز کی کیفیت شامل کر کے واقعات کے تابعے بانے کو اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ قاری کا انہما ک بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھر مزاح کی باتیں مان کر اور پر لطف اور دلکش بنادیتی ہے۔

### (۳) مشاہدات میں قاری کی شمولیت:

یوں تو سفرنامہ ذاتی مشاہدات اور تجربات کو تحریر کرنے کا نام ہے لیکن سفرنامہ کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ لمحہنے والا اپنے مشاہدات کو اس طرح پیش کرے کہ قاری کی نگاہوں کے سامنے بھی وہ مناظر آجائیں اور وہ بھی خود کو ہمسفر محسوس کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری پوری سفر میں ان کا ہمسفر ہوتا ہے اور جو کچھ وہ محسوس کرتے ہیں وہی قاری بھی محسوس کرتا ہے۔

### (۴) منظر کشی:

سفرنامے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ واقعات کے بیان کے ساتھ ماحول کی منظر کشی بھی کی جائے جو کچھ دیکھا جائے۔ کیونکہ کائنات میں ہر طرف فطرت کے مناظر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا پراثر بیان دل و دماغ کو متاثر کرتا ہے۔ وہ مناظر کی اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں کہ کوئی بات رہ نہیں جاتی اور جس منظر سے کوئی خاص تاثر پیدا کرنا ہوتا ہے تو وہ اپنے مخصوص انداز اور تخلیکی رنگ آمیزی سی اسے اور بھی پراثر اور نمایاں کر کے پیش کرتے ہیں اور قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہ بھی اس منظر کو دیکھ رہا ہے یا خود وہاں موجود ہے۔

### (۵) طنز و مزاح میں متناہت:

ابنِ انشاء چونکہ اپنی تحریروں کو طنز و مزاح سے پراثر بنانے کے عادی ہیں۔ اس لئے ان کی ہر تحریر میں ان کا یہ

رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے سفرنامے ان کے اس اندازِ تحریر کی واضح مثالیں ہیں۔ متنانت اور سبیدگی کے ساتھ طنز و مزاج کے میدان میں قدم رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ابنِ انشاء کے یہاں طنز و مزاج کی یہی خوبی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ ان کے مزاج کی شکنگلی اور لمحے کی متنانت کے سبب مزاج کی کیفیت زیرِ لب تبسم تک رہتی ہے قصقوں میں تبدیل نہیں ہوتی۔

#### (۶) سادگی و عام فہمی :

ابنِ انشاء کی زبان سادہ اور عام فہم ہے وہ نہایت سادہ انداز میں اپنی بات بیان کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پیش نظر عام قاری ہے جو ان کی تحریروں کو پڑھے گا۔ اس لئے وہ اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے ہیں کہ بات سادہ اور پراثر انداز میں کہی جائے۔ ان کی منفرد تحریر خود منہ سے بولتی ہے کہ اس کے غالباً ابنِ انشاء ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ان کی شاعری اور مضامین آج بھی عوام اور خواص میں مقبول ہیں۔

#### (۷) جزئیاتِ نگاری :

ابنِ انشاء آنکھ بند کر کے سفرنامہ نہیں لکھتے بلکہ کھلی آنکھوں سے اپنے تمام احساسات کے ساتھ ان چیزوں کو دیکھتے اور تحریک کرتے ہیں جو دوران سفر انھیں درپیش ہوتی ہیں اور پھر نہایت تفصیل کے ساتھ قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

#### (۸) کالم نگاری :

ابنِ انشاء نے کالم نگاری کا آغاز روزنامہ "امروز" سے کیا۔ 1955ء میں مولانا چراغ حسن حسرت کے انتقال کے بعد ان کا کالم کراچی سے کئی سال تک ابنِ انشاء لکھتے رہے۔ 1965ء میں انعام میں "باتیں انشاء جی کی" کے عنوان سے لکھنا شروع کیا اور یہ سلسلہ ان کے آخری ایام تک چلتا رہا۔ ان کے کالموں نے ان کی شہرت کو چارچاند لگادیتے۔ ان کا طنز و مزاج اور شکفتہ نشر نگاری بے حد مقبول اور معروف ہوتی۔

#### (۹) تراجم :

ابنِ انشاء ایک بہترین اور کامیاب مترجم بھی تھے۔ انھوں نے بہت سی نشری اور منظوم کتابوں کا اردو میں شاندار ترجمہ کیا۔ یوں تو انشاء جی نے بہت کتابوں کے اردو میں ترجمے کئے مگر ان میں بہت زیادہ مقبول اور مشوریہ ہیں:

- ۱۔ جان سٹین کے مشور ناول "دی مون از ڈاؤن" کا اردو ترجمہ "شہر پناہ" کے نام سے کیا۔
- ۲۔ ایڈگر امین پوکی پر اسرار کہانیوں کا اردو ترجمہ "اندھا کنوں" کے نام سے کیا۔
- ۳۔ امریکی مصنف اوہنیزی کی بیس کہانیوں کا اردو میں ترجمہ "لاکھوں کا شہر" کے نام سے کیا۔
- ۴۔ ولیم بش کی رو سی کہانی "شلجم کیسے اکھڑا" کو بھی اردو کا جامہ پہنایا۔

## (۱۰) بچوں کیلئے کتابیں :

ابن انشاء کو بچوں سے بہت پیار تھا۔ انہوں نے بچوں کیلئے نظمیں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا جن کی پہلی کتابی صورت "بلو کا بستہ" اور دوسری نظمیں تھی۔ یہ کتاب 1957ء میں شائع ہوتی۔ 29 نظموں پر مشتمل اس خوبصورت کتاب کا تعارف نامہ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے تحریر کیا اور ابن انشاء کی اس کاوش کو سراہا۔ ابن انشاء بچوں کیلئے وقاً فوقاً نظموں اور منظوم کہانیوں کے گلددستے پیش کرتے رہے۔ ان کہانیوں کی زبان نہایت سلیس اور انداز بیال نہایت شگفتہ ہے۔

## ناقدین کی آراء :

\*.... ان کی موت پر سید ضمیر جعفری کے تاثرات سے ان کا مقام اور مرتبہ عیاں ہوتا ہے :

"ابن انشاء چل بے۔ چاند نگر کی روشنی دوستوں سے روٹھ گئی اور اردو کا عظیم بخارہ اپنی عمر کی پونجی ٹاکر کوچ کر گیا۔ اردو نظر میں شکفتگی کا سدا بھار آبشار تھم گیا۔"

\*.... مشہور صحافی جناب نصر اللہ خان اپنی کتاب "کیا قافلہ جاتا ہے" میں ابن انشاء کے بارے میں لکھتے ہیں :

"ابن انشاء جی صحافی سے زیادہ ادیب تھے۔ وہ اخبار کے کالم نویس اتنے نہیں تھے جتنے اخبار کے ادبی مزاج نگار تھے۔"

## حرف آخر :

ابن انشاء کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ اپنے عمد کے بلند پایہ مصنف، شاعر، مزاح نگار، مترجم اور اعلیٰ علمی شعری اور ادبی روایات کے وارث تھے۔ الخصیریہ کہ ابن انشاء نے اپنی تحریروں کے ذریعے دنیاۓ ادب میں ایک معقیب مقام حاصل کیا۔ ان کی تحریریں، مضمایں، سفرنامے اور شاعری آج بھی ادب کے قاری کے لیے دلچسپی و مسکراہٹ بکھیرنے کا سامان مہیا کرتی ہے۔ وقت نے انھیں مہلت نہ دی مگر پھر بھی انہوں نے جو کچھ بھی لکھا بہت خوب اور بہت عمدہ لکھا۔



## M. HARIS BASIM

University Lecturer | Research Scholar  
Islamic Financial Consultant

www.harisbasim.weebly.com 0313-2577255

/HarisBasimHB /HarisBasimHB /HarisBasimHB /HarisBasimHB

## مرزا سداللہ خاں غالب

ابتدائیہ:

مرزا سداللہ خاں غالب کی شخصیت کو کون نہیں جانتا۔ بحیثیت شاعروہ اتنے مقبول ہیں کہ ان کے اشعار زبانِ زد خلاق ہیں۔ اور بحیثیت نشنگار بھی وہ کسی سے کم نہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے ان کا پایہ سب سے بلند ہے کہ ایسے زمانے میں جب رنگینی و قافیہ پیمانی، انشا پردازی کا اصل سرمایہ صحیحی جاتی تھی، انہوں نے نثر میں بھی ایک نئی راہ نکالی۔ سادہ و پرکار، حسین و رنگین۔ یہی نمونہ نثر آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوتے۔

غالب کی مکتوب نگاری:

فارسی میں مکاتیب اور واقعات میں انشا پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے گئے۔ لیکن یہ انشا پردازی محض لفظی بازی گری تھی اس میں جذبات اور احساسات کا داخل بہت کم تھا۔ مرصع و مسجع عبارت آرائی ہوتی تھی۔ اردو خطوط میں بھی اسی کی تقاضی کی گئی۔

مرزا غالب نے اس فرسودہ روشن کو ترک کر کے اردو خطوطِ نویسی میں انقلاب لایا۔ انہوں نے خطوط کو زندگی کی حرارت بخشی۔ سادہ اور عام فہم زبان کا استعمال کیا جس میں بے تکلف عبارتیں ہوتیں، مسجع و مرصع عبارتوں سے پاک۔ غالب خط نہیں لکھتے تھے بلکہ بات چیت کرتے تھے۔ گرچہ یہ مکالمہ یک طرفہ ہوتا تھا لیکن مکتوب الیہ کو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا غالب ان کے سامنے ان سے گفتگو کر رہے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا کہ غالب نے مراسلہ کو مکالمہ بنایا۔

(۱) جدید نشر کی ابتداء:

غالب نے جدید نشر کی بنیاد رکھی اور آگے چل کر اسی پر سر سید اور ان کے رفقانے ایک جدید اور قابل دیدِ عمارت کھڑی کر دی۔ سادگی، سلاست، بے تکلفی و بے ساختگی، ٹھیک اور مغلوق اندانہ بیان کی بجائے سادا مدعانگاری یہ تمام محاسن جو جدید نشر کا طرہ امتیاز ہیں مکاتیب غالب میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب جدید اردو نشر کے رہنماء ہیں۔ آج نشر کی کوئی ایسی صفت موجود نہیں جس کے لیے مکاتیب غالب میں طرزِ ادا کی رہنمائی نہ ملتی ہو۔

(۲) خطوط اور غالب کی شخصیت:

اردو میں غالب پہلے شخص ہیں جو اپنے خطوط میں اپنی شخصیت کو بے نقاب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر غالب کی شاعری سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حالی نے انہیں حیوانِ ظریف کیوں کہا ہے۔ غالب نے اپنے مکاتیب میں اپنے بارے میں اتنا کچھ لکھ دیا ہے اور اس انداز میں لکھا ہے کہ اگر اس مواد کو سلیقے سے ترتیب دیا جائے تو اس سے غالب کی ایک آپ بیتی تیار ہو جاتی ہے۔

## (۳) بے تکلفی اور سادگی :

غالب کے انداز نگارش کی ممتاز ترین خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ لکھتے تھے بے تکلف لکھتے تھے۔ انہوں نے القابات کے فرسودہ نظام کو ختم کر دیا۔ وہ خط کو میاں، بکھی برخودار، بکھی مہاراج، بکھی بھائی صاحب، بکھی کسی اور مناسب لفظ سے شروع کرتے ہیں۔ اس بے تکلفی اور سادگی نے ان کے ہر خط میں ڈرامائی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ مثلاً یوسف مرزا کو اس طرح خط شروع کرتے ہیں، ”کوئی ہے، ذرا یوسف مرزا کو بلا یو، لو صاحب وہ آئے۔“

## (۴) جدت طرازی :

شاعری کی طرح غالب کی تحریر کی جان بھی جدت طرازی ہی ہے۔ وہ بنے بنائے راستوں پر چلنے کی بجائے خود اپنا راستہ بنائے ہیں۔ عام اور فرسودہ انداز میں بات کرنا ان کا شیوه نہیں۔ انہوں نے خطوط نویسی کو اپنے اور لمبادا کا طریقہ نویشنا، جو ادبی اجتہاد سے کم نہیں، میر مددی کا ایک خط یوں شروع ہوتا ہے۔ ”مارڈالا یار تیری جواب طلبی نے“ ایک اور خط کی ابتدایوں کرتے ہیں، ”آہاہا۔ میرا پیارا مددی آیا۔ آؤ بھائی، مراج تو اچھا ہے۔ بیٹھو۔“

## (۵) شوخی تحریر :

مولانا حالی لکھتے ہیں جس چیز نے ان کے مکاتیب کو ناول اور ڈراما سے زیادہ دلچسپ بنادیا ہے وہ شوخی تحریر ہے جو اکتساب، مشق و مہارت یا پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خط لکھتا بت میں مرزا کی روشن پر چلنے کا ارادہ کیا اور اپنے مکاتبات کی بنیاد بذله سمجھی و ظرافت پر رکھنی چاہی ہے۔ مگر ان کی اور مرزا کی تحریر میں وہی فرق پایا جاتا ہے جو اصل یا روپ بھروسے میں پایا ہوتا ہے۔ اور بقولِ حالی مرزا کو بجائے ”حیوان ناطق“ ”حیوان طریف“ کہنا بجائے ہے۔

## (۶) ذات اور ماحول :

پورے مکاتیب غالب کو سامنے رکھ کر حیات غالب کا مکمل نقشہ تیار کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ غالب نے اپنے ارد گرد کے ماحول اور حالت زندگی کی مکمل ترجمانی اپنے خطوط میں کی ہے۔ مثلاً پیدائش، خاندان، وسائل معاش، رہائش، دوست احباب، خور و نوش، شب و روز کی مشغولیات، سفر و حضروں غیرہ۔ حیات غالب کے متعلق تمام معلومات مکاتیب میں موجود ہیں۔

## (۷) مکالمہ نگاری و انشائیہ :

غالب نے نامہ نگاری کو مکالمہ بنادیا ہے جس میں مکالے بھی ہیں اور بات چیت کی مجلسی کیفیت بھی: ”بھائی تم میں مجھ میں نامہ نگاری کا ہے کوہے۔ مکالمہ ہے۔“

باتیں کرنے کا یہ انداز نشر میں زندگی کی غمازی کرتا ہے۔ اردو میں انشائیہ کی صفت غالب کے بعد سر سید کے زمانے میں ظہور میں آئی۔ لیکن اس صفت ادب کے لیے غالب کے اسلوب گفتگو نے زمین پہلے سے ہموار کر دی تھی۔

(۸) ڈراما :

غالب نے اپنے خطوط میں مکالمہ نگاری کا جو اسلوب اپنایا ہے اس میں ڈرامائیت کی وہ ادانت نظر آتی ہے جو آگے چل کر ڈرامانگاری کا ایک لازمی حصہ بن گئی۔ اردو کے افسانوی ادب میں ناول اور ڈرامے کی اصناف بھی غالب کے بعد ظہور میں آئیں۔ لیکن خطوط غالب کے یہ پیرا یہ ہاتے بیان ان اصناف ادب کے لیے اظہار و بیان کی راہیں تیار کر گئے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ لکھتے ہیں۔

غالب : بھٹی محمد علی بیگ، لوہاروں کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟

محمد علی : حضرت ابھی نہیں!

غالب : کیا آج جانئیں گی؟

محمد علی : آج ضرور جانئیں گے! بتایاری ہو رہی ہے!

(۹) رپورتاژ :

مکالموں اور باتوں کے ساتھ ساتھ مجلسی زندگی کا ایک اہم پہلو خبریں سنانے کا ہے۔ خبریں اور خبروں پر تبصرے معاشرتی جلت ہے۔ جن کی تکمیل احباب کی شبانہ روز مجلسوں میں ہوتی ہے۔ غالب نے بھی اس کے ذریعے مجلسی فضایا پیدا کر کے اپنی اور احباب کی تسلیکیں دل کاسامان کیا ہے: ”آج شہر کے اخبار لکھتا ہوں۔ سوانح لیل و نہار لکھتا ہوں۔“ ”ہم تمہارے اخبار نویس ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں کہ۔۔۔۔۔“

(۱۰) آپ بیتی :

غالب آپ بیتی یا سرگزشت نہیں لکھ رہے تھے۔ صرف احباب کے نام خط لکھ رہے تھے لیکن ان خطوط میں انہوں نے اپنی زندگی کے متعلق اتنا کچھ لکھ دیا ہے اور اس انداز سے لکھ دیا ہے کہ اگر اس مواد کو سلیقے سے ترتیب دیا جائے تو اس سے غالب کی ایک آپ بیتی تیار ہو جاتی ہے۔ اردو ادب میں آپ بیتی کو بعد میں اپنایا گیا لیکن مکاتیب غالب میں ان کی خود نوشت سوانح نے اردو میں آپ بیتی کے لیے زمین ہموار کر دی تھی۔

(۱۱) مختصر کہانی :

درactual خطوط غالب انسانی زندگی کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں اور مختصر کہانی کا موضوع ہی انسانی زندگی کا کوئی پہلو ہوتا ہے۔ غالب نے شخصی اور اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرنے میں جس روایا اور شکختہ انداز بیان کو اختیار کیا ہے اس نے مختصر کہانی کے لیے راہیں ہموار کیں۔

ناقدین کی آراء :

کھ۔۔۔ علامہ شبی لکھتے ہیں :

”اردو انشا پردازی کا آج جوانداز ہے اور جس کے مجدد اور امام سر سید مرحوم تھے اس کا سنگ بنیاد دراصل مرزا

غالب نے رکھا تھا۔“

کھجور مولانا حامل لکھتے ہیں :

”مرزا سے پہلے کسی نے خط کتابت کا یہ انداز اختیار کیا اور نہ ان کے بعد کسی سے اس کی پوری پوری تقسیم ہو سکی۔“

کھجور اکرم شیخ لکھتے ہیں :

”غالب نے دہلی کی زبان کو تحریری جامہ پہنایا اور اس میں اپنی ظرافت اور موثر بیان سے وہ گلکاریاں کیں کہ اردو معلیٰ خاص و عام کو پسند آئی اور اردو نثر کے لیے ایک طرز تحریر قائم ہو گیا۔ جس کی پیروی دوسروں کے لیے لازم تھی۔“

کھجور خود غالباً آظہارِ خیال کرتے ہیں :

”میں نے وہ اندازِ تحریرِ الحجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے۔ ہزار کوس سے بہ زبانِ قلم باتیں کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔“



## M. HARIS BASIM

University Lecturer | Research Scholar  
Islamic Financial Consultant

[www.harisbasim.weebly.com](http://www.harisbasim.weebly.com) 0313-2577255

/HarisBasimHB /HarisBasimHB /HarisBasimHB /HarisBasimHB

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

## طریقہ جواب سوال نمبر ۸: شاعر کے طرز تحریر کی خصوصیات

۵ انہر کے اس سوال کے جواب کے لیے صدر متحن کے ہدایت ناموں کو پیش نظر لے جائے تو ان کا حاصل درج ذیل ہوگا:

- (الف) عدمہ تمثیل۔
- (ب) دس سے بارہ خصوصیات، تکرار نہ ہو، ہر خصوصیت کی وضاحت کے لیے مناسب شعر۔
- (ج) تین، چار مستند ناقدین کی آراء۔

### جوانی خاک

ابتدائیہ:

کلام کی خصوصیات:

۱

شعر:

۲

شعر:

ناقدین کی آراء:

”

”

(۱)

”

”

(۲)

”

”



## میر تقی میر

تعارف :

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز تا حشر جہاں میں میرا دیوان رہے گا  
اس عظیم شاعر کا نام محمد تقی اور تخلص میر تھا۔ ۱۸۷۳ء میں اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید عبداللہ تھا لیکن وہ علی متنقی کی عرفیت سے مشہور ہیں۔ میر کی شاعرانہ تعلیٰ اپنی بجھے ایک مسلم حقیقت ہے کہ میر کو اس دور کے شعراء اور نقادوں نے خدا نے سخن تسلیم کیا۔

مشهور تصانیف :

میر تقی میر کی غزلوں کے چھ (۶) دیوان ہیں۔ آپ نے ”ذکر میر“ کے نام سے آپ بیتی بھی لکھی۔

میر تقی میر کے محسن کلام :

میر تقی میر کے نمایاں محسن کلام درج ذیل ہیں :-

(۱) سوز و گداز :

میر کا عمد افراتفری کا دور تھا۔ اگر میر میں زمانے کی چوت کھانے اور زخم سینے کی عادت نہ ہوتی تو زمانے کی بھی انک آندھی کے سامنے ان کی شخصیت اور شاعری کا چراغ گل ہو جاتا اس لئے میر کی رام کمانی اس عمد کی داستان معلوم ہوتی ہے۔ میر کی تہائی پسندی اور خلوت نشینی انھیں اپنے عمد اور ماحول کی تربجمانی سے بازنہ رکھ سکی۔ اس عمد کی افراتفری، ذہنی انتشار، سکون کی تلاش، شرفاء کی پریشان حالی اور معاش کی قلت کی جیتی جاگتی تصویریں ہمیں ان کے کلام سے ملتی ہیں۔

عمر جوانی رو رو کالا پیری میں لیں آنکھیں مومنہ  
یعنی رات بہت تھے جا گے، صح ہوتی آرام کیا  
مجھ کو شاعر نہ کو میر صاحب کہ میں نے

درد و غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

### (۲) تصور عشق:

میر کی دنیا میں عشق کی حکمرانی ہے جس میں ان کے خاندان کی تہذیب اور معاشرتی روایات کو بڑا دخل ہے ان کو شروع ہی سے عشق و محبت کی تعلیم دی گئی تھی۔ عکسِ کلام پیش نظر ہے:-

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے  
ہم را توں کواٹھ کروتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے  
دل ٹڑپے ہے جان کھپے ہے، حال جگر کیا ہوگا  
مجنوں مجنوں لوگ کے ہیں مجنوں کیا ہم سا ہوگا



### (۳) درد والم:

غم انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ انسانیت غم سے اور زیادہ سنورتی ہے یہ غم ہی ہے جس نے میر کی شاعری میں حسن، موسیقیت، معصومانہ تخلیل اور روانی و تاثر پیدا کر دیا ہے۔

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح  
تو کب تک میرے منہ کو دھوتا رہے گا  
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ  
ہے نام مجلسوں میں میرا میر بد دماغ

### (۴) جذبات کی قربانی:

جب میر اپنے احساسات اور تاثرات کو صفائی اور درد انگیزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو ان کے اشعار میں ایسا ترجم پیدا ہوتا ہے گویا ان کی روح موسیقی میں آبیسی ہے وہ الفاظ میں ایسا جادو بھر دیتے ہیں جس سے دل پر چوٹ سے لگتی ہے۔ میر نے اپنے غم انگیز وجدان سے ایک الگ دنیا تعمیر کی ہے جو اپنی عظمت اور رنگ روپ کے اعتبار سے بالکل نئی ہے۔ ان کی شاعری میں رمزیت بھی پائی جاتی ہے۔ عکسِ کلام پیش نظر ہے:-

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام یا  
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام یا

## (۵) خودداری :

میر کی ایک اور خصوصیت ان کی غیرت اور خودداری ہے۔ وہ امراء اور رؤسائے میل جوں کو پسند نہ کرتے تھے کہ اس سے ان کی خودداری کو ٹھیس نہ لگے۔ وہ بے حد کم گو اور آزاد طبیعت واقع ہوئے تھے۔ مفسی اور درویشی نے ان کی اعلیٰ ظرفی کو اور بلند تر کر دیا تھا۔ اسی خودداری کی واضح بھلک ان کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر:-

آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز  
ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

## (۶) تصوف و فلسفہ :

میر تصوف کے نہیں تغل کے شاعر ہیں لیکن اس دور کے رواج کے مطابق ان کی شاعری میں عارفانہ مضامیں بھی ملتے ہیں۔ اسی طرح ان کی شاعری میں فلسفہ کا اثر بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ فلسفہ کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہے۔ مثلاً -

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت  
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا  
سر سری تم جہاں سے گزرے  
ورنہ ہر جا جہاں دیگر تھا

## (۷) عام فہم انداز:

میر کے کلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کا انداز نہایت عام فہم ہے جس کو ہر عام و خاص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ میر اپنے کلام کے بارے میں خود کہتے ہیں :-

شعر میرے ہیں گو خواص پسند  
گفتگو پر مجھے عوام سے ہے

## (۸) صنائع و بدائع:

میر کو اسالیب بیان پر بڑی قدرت حاصل تھی انہوں نے اکثر فارسی تراکیب یا ان کے ترجموں کو انتہائی خوبصورتی سے اپنے کلام میں سمویا ہے۔ اسی طرح تشبیہیں اور استعارے جو ہر شاعری کی جان ہوتی ہیں، اگر خوبصورتی سے برتبے جائیں تو شعر کا حسن دو بالا کر دیتے ہیں۔ میر نے ان کا استعمال بھی دلکش انداز میں کیا ہے۔ عکسِ کلام پیش ہے:-

نازکی اس کے لب کی کیا کیہی  
پنجمڑی اک گلاب کی سی ہے

ساری مستی شراب کی سی ہے  
میر ان نیم باز آنکھوں میں

## (۹) رمزیت و ایمائیت:

شاعری عموماً اور غزل خصوصاً رمز و ایماء کا فن ہے یعنی بات کو ڈھانک چھپا کر بیان کرنا۔ اپنے کلام کی اس خصوصیت کا اظہار میر نے اپنے اس شعر میں کیا ہے: ۔

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات  
گلی نے یہ سن کر تبسم کیا

## (۱۰) موسيقیت:

میر نغمہ اور لطیف الفاظ کو اپنے اشعار میں نہایت سلیقہ مندی سے استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے کلام میں نغمگی اور موسيقی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ خوبی میر کی ان غزلوں میں خاص طور پر نمایاں ہے جو طویل بھروس میں کمی گئی ہیں، مثلاً: ۔

پتا پتا، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

## عظمت میر:

\*.... مجنون گورکھ پوری کہتے ہیں:

”اردو شاعری بھی اپنا ندرار کھستی ہے اور وہ میر کملاتا ہے۔“

\*.... ڈاکٹر ابواللیث کہتے ہیں:

”میر تقی میر شہنشاہ سخن ہیں۔ ان کا کلام جیسا ان کے زمانے میں مقبول تھا ویسا آج بھی مقبول ہے بلکہ

دوسرا جدید میں غزل کی احیاء کے سر

کی ہمہ گیر آفاقیت اور ابدیت کا ثبوت ملتا ہے۔“

\*.... مولوی عبدالحق کہتے ہیں:

”میر تقی میر سر تاج شعرائے اردو ہیں۔ ان کا کلام اسی ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا جیسے سعدی کا کلام

فارسی زبان میں۔“

\*.... ڈاکٹر سید عبد اللہ کہتے ہیں:

”اردو کے بہت کم شاعروں کے یہاں حقائق کی جستجو کے لئے اتنی ترکیب پائی جاتی ہے جتنی کے میر کے کلام میں۔“

\*.... غالب کہتے ہیں : ہے

ریختہ کے تم ہی استاد نہیں ہو غالب  
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

\*.... ذوق کہتے ہیں : ہے

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا اندازِ نصیب  
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

\*.... ابنِ انشاء کہتے ہیں :

اک بات کہو تو انشاء جی، تمھیں ریختہ کہتے عمر ہوئی  
تم ایک جہاں کا علم پڑھے، کوئی میر سا شعر کہا تم نے؟

\*.... حسرتِ موهانی کہتے ہیں :

شعر میرے بھی ہیں پُر درد لیکن حسرت  
میر کا شیوه گفتار کماں سے لا اؤں؟

## حارہ خواجہ میر درد سام

تعارف :

سید خواجہ میر نام اور درد تخلص تھا۔ دردارِ دو ادب میں صوفی شاعر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ باپ کا نام محمد ناصر عندیب تھا۔ ۱۹۱۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب ایک صاحبِ دیوان صوفی شاعر اور گوشہ نشین بزرگ تھے۔ درد کی تعلیم اسی دینی ماحول میں ہوئی۔ خواجہ صاحب نے ابتداء میں فوج کی ملازمت کی لیکن والد کے حکم پر ملازمت چھوڑ کر اٹھائیں برس کی عمر میں گوشہ نشین ہو گئے اور باپ کے انتقال کے بعد ان کی سجادہ نشین اور قائم مقام ہوئے۔ اس کا اثر ان کی شاعری پر پڑا اور درد نے غزل میں تصوفانہ خیالات داخل کیے۔

### خصوصیاتِ کلام:

خواجہ میر درد کے نمایاں محسن کلام درج ذیل ہیں :

#### (۱) تصوف :

تصوف "صوفیت" سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا عشق۔ درد پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اسے فن بنایا۔ خواجہ میر درد نے تصوف میں جو کہا آج تک کسی سے نہ ہوا۔ درد کی عظمت اس میں ہے کہ ان کی شاعری ایک صوفی کی شاعری معلوم ہوتی ہیں۔ وہ صوفیانہ عقائد اور مسائل کا مذکورہ ہی نہیں کرتے بلکہ ان کی شاعری کا لب والجہ صوفیانہ ہے۔ مثال کے طور پر : ۔

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا

تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

ارض و سما کہاں تیری و سعت کو پاسکے

میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

#### (۲) قناعت پسندی :

دردان کی شاعری میں مصائب زندگی کے خلاف شکوه شکایت کا وہ رنگ موجود نہیں جو میر کے کلام میں ملتا ہے۔ ان کی فریاد میں تلخی و یاس نہیں۔ جبکہ زمانے کی ہلاکت خیزیوں کے سامنے بڑے بڑے ثابت قدم ہار گئے، درد نے اپنا شبات اور استقلال نہ چھوڑا۔ انہوں نے اپنے دور کے واقعات کے اشارات بھی بہت کم کیے ہیں اور حالات کے گرم و سرد کو اپنی فطرت اور سینے میں سمویا ہے۔ عکسِ کلام پیش ہے :

آیانہ اعتدال میں ہر گز مزاج دہر

میں گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا

#### (۳) خودستائی :

درد کے کلام میں خودستائی کا عضر بھی واضح رہا۔ کہیں کہیں وہ اپنی تعریف کرتے دکھائی دیتے۔ مثلاً : ۔

پھولے گا اس زبان میں گلزارِ معرفت

یاں میں زمین شعر میں یہ تختم بو گیا

## (۴) دنیا کی بے ثباتی :

دردچونکہ صوفی شاعر ہیں اور ان کا دل خالقِ حقیقتی کے عشق سے سرشار ہے اسلئے انہوں نے ہمیشہ اپنے کلام کے ذریعے اس امر کو واضح کیا کہ دنیا حقیقی ٹھکانہ نہیں بلکہ حقیقی گھر تو آخرت ہے۔ درد کے کلام میں ہمیں جا بجا دنیا کی حقیقت اور بے ثباتی عیاں نظر آتی ہے۔ مثلاً ۔۔۔

وائے نادانی! وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا  
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سننا افسانہ تھا  
درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب  
کس طرف سے آئے تھے، کہ ہر چلے

## (۵) سوز و گداز :

درد کے کلام میں سوز و گداز کثرت سے موجود ہے۔ وہ اکثر سوز کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں دنیا

۔۔۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے  
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

## (۶) وحدت الوجود :

صوفیاء کے دو مختلف مکتبہ خیال ہیں۔ پہلا وحدت الوجود، ان لوگوں کا خیال ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں وجودِ حقیقتی کا حصہ ہیں اور ہر شے میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔ دوسرا وحدت الشہود، ان لوگوں کا خیال ہے کہ تمام اشیاء خدا نے خارج سے پیدا کیں ہیں اور کائنات کی تمام چیزیں مظہرِ خداوندی ہیں۔ درد وحدت الوجود کے نظریہ کے قائل ہیں۔ مثلاً ۔۔۔

ہے غلط گرمائی میں کچھ ہے  
تجھ سوا بھی جماں میں کچھ ہے

## (۷) شرفِ انسانیت :

درد کے یہاں عظمتِ انسانی کا احساس سب سے زیادہ ہے۔ وہ صوفیانہ آدابِ محفل جو شاہ عالم کو بھری محفل میں ٹوک دیتے ہیں۔ ان کے کلام میں جگہ جگہ پائی جاتی ہیں۔ وہ جگہ جگہ انسانیت کی عظمت کا پرچار کرتے دکھانی دیتے ہیں۔  
مثلاً ۔۔۔

باغِ جہاں کے گل میں یا خار میں تو ہم میں  
 گریا رہیں تو ہم میں، ان غیارہ میں تو ہم میں  
 وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر و گر قدر  
 مجبور ہیں تو ہم میں، مختار ہیں تو ہم میں

## (۸) رنگ تغزل :

درد کے یہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں خالص عشق کا انداز پایا جاتا ہے لیکن انہوں نے جو عشقیہ اشعار کے ہیں اور حسن و عشق کے نغمے الاپے ہیں اس میں بھی پاکیزگی تخلیٰ اور احترام حسن و عشق پایا جاتا ہے۔ مثلاً ۔۔۔  
 اذیت، مصیبت، ملامت، بلا نیں  
 ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

## (۹) اخلاقی مضامین :

درد ایک صوفی شاعر ہیں۔ روزمرہ زندگی کی طرح اپنی شاعری اور کلام کے ذریعے بھی وہ دوسروں کی اصلاح اور تربیت کرتے دکھانی دیتے ہیں۔ درد کی شاعری میں ہمیں جانجا اخلاقی مضامین بھی ملتے ہیں، مثلاً ۔۔۔  
 درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو  
 ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

## (۱۱) بلاغت :

اچھا شاعر وہ ہوتا ہے جس کی بات پڑھنے والا آسانی سے اور فوراً سمجھ جائے۔ اس خوبی کے لیے زبان و بیان پر پوری قدرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ درد اس خوبی سے مالا مال ہیں۔ زبان و بیان پر انھیں مکمل عبور حاصل ہے۔ الفاظ کے چنان میں بھی انھیں بڑی مہارت حاصل ہے۔ اسی لیے ان کا کلام ہر پڑھنے والا نہ صرف فوری طور پر سمجھ جاتا ہے بلکہ اس میں موجود پیغام بھی قبول کر لیتا ہے۔ مثلاً ۔۔۔

ان دونوں کچھ عجائب ہے میرا حال  
 دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے

ناقدین کی آراء :

\*.... میر تقی میر کہتے ہیں :

”دردار نختہ کا زور آور شاعر ہے۔“

\*.... محمد حسین آزاد کہتے ہیں :

”چھوٹی چھوٹی بھروس میں جو اکثر غزلیں لکھتے ہیں گویا تلواروں کی آبداری نشتر میں بھردیتے ہیں۔“

\*.... امیر بینائی ان کے کلام کے بارے میں کہتے ہیں :

”یہ پسی ہوتی بجلیاں معلوم ہوتی ہیں۔“

\*.... رام بابو سکھیئنہ کہتے ہیں :

”دردار دوشاعری کے تاج کا سب سے بڑا ہیرا ہے۔“

\*.... میر حسن ان کے کلام کے بارے میں کہتے ہیں :

”

\*.... مرزا علی خاں لطف فرماتے ہیں :

”اگرچہ دیوان مختصر ہے مگر سر اپا دردواڑھر ہے۔“

\*.... عظمت اللہ خان تحریر فرماتے ہیں :

”خواجہ میر دردار دوادبیات میں صوفیانہ شاعری کے باوا آدم ہیں۔“

## مرزا اسد اللہ خان غالب

حروف آغاز:

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے      کوئی بتلوے کہ ہم بتلائیں کیا

مرزا اسد اللہ خان غالب کا تعارف کرانا بلاشبہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ وہ اردو شاعری کی دنیا کا

وہ درخشان آفتاب ہیں جو تاقیامت اسی آب و تاب سے روشن رہے گا۔ غالب بحیثیت شاعر ایک ایسی شخصیت ہے جو

زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں۔ وہ ایک مکمل دور ہیں۔ غالب کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔ وہ ایک منفرد اندازِ

فحکر کے بنی ہیں۔ ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے دیوان کو ہندوستان کی الہامی کتاب تسلیم کیا گیا۔ ان کی شاعرانہ

عظمت کو ہر دور میں تسلیم کیا گیا۔ خود وہ بھی اس کا ادراک رکھتے ہیں، چنانچہ رقم طراز ہیں : ۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیان اور

**خصوصیات کلام غالب:**

غالب کی ریختہ نگاری کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

**(۱) جدت طرازی:**

غالب کے قصرِ نظم و نثر کی بنیاد ہی جدتِ خیال و بیان پر رکھی گئی ہے۔ ان کی اختراع پسند طبیعت بیان کے نئے نئے پیرائے تلاش کرتی ہے۔ یہ جدت ادا میں، مضمون میں، تشبیہات میں، استعارات میں، خیال میں، غرض ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے۔ بقول حالی:

"جس روشن پر دوسرا چل رہے تھے مرزانے اس سے الگ ایک نئی روشن اختیار کی۔"  
کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ  
ہائے اس زود پیشیاں کا پیشیاں ہونا

**(۲) جدت ادا:**

غالب کی شاعری میں جہاں نت نئے موضوعات بیان ہوئے ہیں۔ وہاں ان کا طرزِ ادا بھی بہت مختلف اور منفرد ہیں۔ غالب کی شاعرانہ عظمت کا قصر

ان کی جدت طرازی پر تعمیر ہوا ہے۔ مثلاً:

تیری وفا سے کیا ہو تلافی، کہ دھرمیں  
تیرے سوا بھی ہم پر بہت سے ستم ہوئے

**(۳) فکرو فلسفہ:**

غالب کا مزاج فلسفیانہ ہے۔ وہ حیات و کائنات کے مختلف پہلوؤں پر مفکرانہ اور حکیمانہ خیالات رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے غزل حدیث دلبری سے بڑھ کر حدیثِ زندگی بن گئی ہے۔ غالب کا یہ فلسفہ زندگی کی پریچ را ہوں میں روشنی کی مانند ہے۔ عکسِ کلام ملاحظہ کیجئے:

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد!

عالم تمام حلقة دام خیال ہے  
بازیچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے  
ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

## (۴) روایت سے بغاوت:

غالب طبعاً ایک جدت طراز اور روایت شنکن شاعر تھے۔ وہ زندگی میں تقلید کی روشن کو پسند نہیں کرتے۔ انہوں نے روایت پرستی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور زندگی کو عطا یہ خداوندی سمجھ کر اس کے گوناگون حسن کی طرف اپنی چشم تماشا کو واکیا۔ انہوں نے زندگی کی تکلیفوں پر کڑھنے کے بجائے ایک حوصلے سے کام لیا۔ وہ ایسی روایات پر بھی پیبا کانہ تنقید کرتے ہیں جو ہمارے لئے مسلماتِ شعری کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً:

ایسی جنت کا کیا کرے کوئی

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیرودی کریں

مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

## (۵) ندرتِ خیال:

خیال کی ندرت غالب کی بہت اہم خصوصیت ہے۔ وہ غزل کے انوکھے مضامین کو زیادہ موثر اور شکھتہ بنانے کے لئے خوبصورت تراکیب، استعارات اور نادر تشبیہات سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً:-

بس کے دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

## (۶) جذبہ عشق:

غالب کا نظریہ عشق بھی اوروں سے مختلف ہے۔ نہ وہ سوز و گداز ہے اور نہ وہ سپردگی اور والہانہ پن ہے۔ ان کے درد و غم پر ہنس لینے کا جذبہ موجود ہے۔ عشق کی وجہ اور حیات کی آسودگی کا اظہار بھی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:-

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا

درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا

## (۷) حقیقت پسندی:

غالب فطرت انسانی اور نفیات کے گھرے رمز آشنا تھے۔ وہ زندگی اور اس کے مصائب و وسائل کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ انھیں انسانی نفیات کا گھر اشور حاصل ہے۔ اور انہوں نے اپنے اس شعور سے نہایت مفید نتائج اخذ کئے ہیں۔ مثلاً:-

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج  
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

## (۸) مضمون آفرینی:

غالب کے نزدیک شاعری محض قافیہ پیمانی نہیں، بلکہ مضمون آفرینی ہے۔ وہ اشعار میں خیال افروزنکات اور باریکیاں بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ کچھے ہے ۔۔۔

ان کے دیکھے سے جو آجائی ہے منہ پر رونق  
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

## (۹) لیجازو اختصار:

غزل میں بات ڈھکا چھپا کر کہنا ان کی بنیادی خصوصیت ہے۔ غالباً کم سے کم الفاظ میں بڑے بڑے معنائیں یوں ادا کرتے ہیں گویا دریا کو کوزے میں بند کرتے ہیں۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے: ۔۔۔

کیا فرض ہے سب کو ملے ایک سا جواب

آؤ ناہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

## (۱۰) غم پسندی:

غالب غم کو بخوبی دل سے لگائے ہوئے ہیں۔ ان کے نظریہ زندگی کے مطابق زندگی کے ہنگاموں میں احساسِ غم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ زندگی کی یہ ہماہی نوچ غم، یا نغمہِ الم کی وجہ سے قائم ہے۔ ۔۔۔

نامہ ہائے غم کو بھی اسے دل ! غنیمت جانتے

بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

## (۱۱) تصوف:

غالب کی غزل میں ہمیں تصوف کے حقائق بھی جا بجلتے ہیں۔ جب وہ اس کائنات کو ایک صوفی کی نظر سے دیکھتے ہیں تو معرفت کے نہایت پاکیزہ اور باریک نکتے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً: ۔۔۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

مسائلِ تصوف کو بیان کرتے ہوئے خود سے مخاطب ہیں:

یہ مسائل تصوف، یہ تیر انداز بیان غالب  
تجھے ہم ولی سمجھتے، جونہ بادہ خوار ہوتا

## (۱۲) نئی ترکیب:

مرزا غالب چوں کہ ہر کام میں جدت کے قائل تھے۔ اسی لیے انہوں نے اردو زبان کو نئی نئی ترکیب اور نئے الفاظ عطا کیے جس سے اردو غزل کو ایک نئی آن بان ملی اور اس کی دلکشی اور جاذبیت میں اضافہ ہوا۔ ان نئی ترکیب کا استعمال غالب نے اس خوب صورتی سے کیا کہ وہی شعر کا حسن بن گئیں۔ ان کے دیوان کا آغاز ہی ایسے شعر سے ہوتا ہے جس میں چار نئی ترکیب استعمال ہوئی ہیں۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا

کاغذی ہے پیر، نہ ہر پیکر تصویر کا

اس شعر میں ”نقش فریادی، شوخی تحریر، کاغذی پیر، نہ اور پیکر تصویر“، چار نئی ترکیب استعمال کی گئی ہیں جو نئی ہونے کے باوجود غیر محسوس نہیں ہوتیں۔ اور یہ ترکیب ہی شعر کی جان بن گئی ہیں۔

## عظمت غالب:



\*.... مجنوں گور کھ پوری کہتے ہیں :

”غالب اردو شاعری کے نئے رہنماء ہیں اور دیوانِ غالب اردو کا نیا موڑ ہے۔“

\*.... ڈاکٹر سید عبداللہ غالب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :

”غالب کی غزل عام اہل ذوق کے لئے اس لئے زیادہ دلپسند واقع ہوئی ہے کہ اس میں ہم جس انسان سے

متعارف ہوتے ہیں اس میں زندگی کی تڑپ زیادہ ہے اس لئے شخصیت میں تمنائے حیات کا عضر زیادہ

“

\*.... ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں :

”ان کی ظرافت نے ان کی انا نیت سے دو چار ہو کر ہمہ گیر طنز کی صورت اختیار کر لی تھی۔“

\*.... ڈاکٹر عبدالرحمن بجوری کہتے ہیں :

”ہندوستان کی دو الہامی کتابیں ہیں، ایک وید اور دوسری دیوانِ غالب۔“

\*.... پروفیسر رشید احمد صدیقی کہتے ہیں :

”مغلوں نے ہندوستان کو تین تھنے دیے، تاج محل، اردو اور مرزا غالب۔“

\*.... خلیل الرحمن اعظمی کہتے ہیں :

”غالب کے اشعار ایک تراشے ہوئے نگینے کی مانند ہیں جو ہر پہلو سے ایک نیا انداز دکھتا ہے۔“

\*.... فیض لکھتے ہیں :

”غالب ایک فرد نہیں ایک نسل ہے۔ ایک ایسی نسل کا نغمہ جو دفنائی نہیں گئی۔“

\*.... خود غالب اپنے بارے میں کہتے ہیں : ۷

در خور قرق و غصب جب کوئی ہم سانہ ہوا

پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہیں ہوا

## حرف آخر :

غالب کی جدت پسندانہ، فلسفہ کی گہرائی، انسانی فطرت سے مکمل واقفیت، حکیمانہ تخيیل، خیال کی بلندی، ندرتِ کلام، یہ تمام خوبیاں مل کر ان کو ایک بلند اور عظیم شاعر ثابت کرتی ہیں۔ خود غالب کا کہنا ہے ۷

اگر اپنا کہا آپ سمجھے تو کیا سمجھے      مزا کہنے کا جب ہے ایک کے اور دوسرا سمجھے  
کلام میر سمجھے اور زبانِ مرزا سمجھے      مگر اپنا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

## حضرت مولانا

بے زبانِ لکھنویں رنگِ دہلی کی نمود      تجھ سے حسرت نام روشنِ شاعری ہو گیا

## تعارف :

نام سید فضل الحسن، تخلص حسرت، قصبه مولانا اناؤ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید اظہر حسین ہے۔ ابتدائی تعلیم کھر پر ہی حاصل کی۔ اردو گلستانِ سخن کے تن مردہ میں روح پھونکنے والا یہ شاعر محتاج تعارف نہیں۔ شاعری کو فرسودہ مصنایں سے نکال کر عروس و بہار کی طرح سجادینا آپ کی زندگی کا وہ کارنامہ ہے جس کا احسان اردو شعرو سخن آج تک نہ اتنا رسا کا۔ آپ نے دم توڑتی روایات و رسومات کو ایک نئی زبان دی، کچھ اس طرح کہ آپ ایک نئے دبستان کے بانی بن گئے۔ آپ نے شاعری کو صاحبِ خصوصیات سے متعارف کرایا اور احیائے غزل کو حیات جاویداں بنخشی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اہل نظرِ یہس المتعز لین اور غزل کے مسیحہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

**محاسنِ کلام:**

مولانا حسرت موهانی اپنے انکار و محسوسات کو حروف کی مالا میں پرتوئے گئے جس کی بدولت ان کا کلام مجموعہ ہائے خصوصیات بن گیا۔ آپ کے چند محاسنِ کلام درج ذیل ہیں:

**(۱) پروقار کیفیاتِ محبت:**

حضرت موهانی کا فلسفہ عشق با وقار اور مہذب تھا جس میں وضع داری، رکھ رکھا اور تہذیب و اخلاق کے دائرے مقرر تھے۔ وہ محبوب کے وقار اور عاشق کے احترام کو ہر قیمت پر ملحوظ رکھتے تھے۔ عکسِ کلام پیش ہے ۔

دیارِ شوق میں ماتم بپاہے مرگِ حسرت کا  
وہ وضع پارسا اس کی، وہ عشق پاک بازا اسکا  
دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھنا  
شیوه عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

**(۲) روایتِ شکنی:**

حضرت نے نئی اور مہذب روایات کی بنیاد ڈالی جو آج تک اردو شاعری کا وقار بلند کر رہی ہے۔ مطالعہ کلام کے بعد قاری کے ظاہر و باطن میں ایک نیا شعور و گوشہ فخر جاگتا ہے۔ مثال کے طور پر ۔

قوتِ عشق بھی کیا شے ہے کہ ہو کر مایوس  
جب بکھی گرنے لگا ہوں تو سنھالا ہے مجھے  
دلوں کو فخر دو عالم سے آزاد کر دیا آزاد  
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

**(۳) معاملہ بندی:**

حضرت تجربات و واقعاتِ محبت ایسے رکھ رکھا اور جذبہ دل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ پردة ذہن پر رعنائی اور رنگ آمیزی سے پر تصاویر بنتی ہیں۔ آپ نے انسانی محبت کی تحقیقی ترجمانی کی ہے۔ عکسِ کلام پیش ہے ۔

کچن لینا وہ مرا پردے کا کونہ دفعاً  
اور دو پڑے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے

اپنے آپے میں نہیں شوق کے مارے گیسو  
پھیلے جاتے ہیں رخ یا رپ سارے گیسو

## (۴) سملِ متنع :

آپ کی شاعری میں الجد دھیما اور شائستہ ہوتا ہے اور زبان شستہ اور آسان۔ سید ہے سادے خیالات پر مبنی فقرے، نزالي ترکیبیں اور طرز بیان ایسے وجد آور ہیں کہ اشعار سید ہے دل میں اتر جاتے ہیں۔ عکسِ کلام درج ذیل ہے

۔

ملتے ہیں اس ادا سے گویا خفائنیں  
کیا آپ کی نگاہ میں ہم آشنا نہیں  
بغیر ان کے دم بھر چین نہیں دل کو  
بکھی ان سے گویا جدائی نہ ہوگی

## (۵) حقیقت کی ترجمانی :

حضرت حسن کو سراہتے ہوں یا عشق کو نباہتے ہوں۔ ہر لمحہ حقیقت بیان کرتے ہیں اور تصنیع، بناؤٹ یا تکلف کا سہارا نہیں لیتے۔ ان کا بیان کردہ عشق اسی جہت کا عشق ہوتا ہے جس کا تجربہ عام زندگی میں ہو سکتا ہے۔ نمونہ کلام پیش نظر ہے ۔

آنے میں وہ دیکھ رہے تھے بہار حسن  
آیا مرا خیال تو شرم اکہ رہ گئے  
اک برق تپاں ہے کہ تکلم ہے تمہارا  
اک سحر ہے لرزائ کہ تسمم ہے تمہارا

## (۶) ہمہ گیری و عارفیت :

حضرت ایک دیندار آدمی تھے جنہوں نے تصوف و عارفیت کو حقیقی مضموم میں سمجھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا بڑا حصہ صوفیانہ و عارفانہ خیالات پر مبنی ہے۔ مثال کے طور پر ۔

ہم کیا کریں نہ تیری اگر آرزو کریں  
دنیا میں اور کوئی بھی تیرے سوا ہے کیا

روح کو محوجمال رخ جاناس کر لیں  
ہم اگرچا ہیں تو زندگی کو گلستان کر لیں

## (۷) رنگ سیاست:

عملی طور پر سیاست میں شامل ہونے کی بناء پر ان کے کلام میں جامبایہ رنگ بھی نظر آتا ہے۔ شعرو سخن کی نرم زبان میں انہوں نے حق گوئی، استقامت، جرات و بے باکی کا سبق دے کر غزل گوئی کے اس پہلو میں بھی جدت پیدا کر دی۔ مثال کے طور پر

ہے مشقِ سخن جاری، چکی کی مشقت بھی  
اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

## (۸) رنگِ تنزل:

حسرت کے کلام کی نمایاں خصوصیت اس کا تنزل ہے۔ ان کی غزل کو پڑھ کر تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے اردو شاعری کے گھرے مطالعے سے کلاسیکی روایت کو بھی برقرار رکھا ہے۔ ۔  
آپ بیٹھیں تو سی آکر میرے پاس بکھی  
کہ میں فرصت میں حدیث دل دیوانہ کو

## (۹) محبوب کا احترام:

حسرت نے محبت کے پاکیزہ اور نازک جذبات کی ترجمانی کی ہے مگر باوقار پیرائے میں حسرت محبوب کا خاصا احترام کرتے ہیں۔

دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھا کرنا  
شیوهِ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا  
یہ بھی آداب محبت نے گوارانہ کیا  
ان کی تصویر بھی آنکھوں سے لگائی نہ گئی

## (۱۰) گرم جوشی:

حسرت، خواجه آتش کی طرح گرم جذباتی طبیعت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں حسن کی رعنائی اور عشق کی گرمی کے

ساتھ جنس کی مک بھی ہے۔ وہ جسم یار کی خوبی اور بساں کی خوشبو کا بے تکلف ذکر کرتے ہیں۔

مجھے گرم نظارہ دیجھا تو ہنس کر  
وہ بولے کہ اس کی اجازت نہیں ہے  
کچھ لینا وہ مرا پردہ کا کونہ دفعاً  
اور دو پیٹ سے تراوہ منہ چھپانا یاد ہے

**ناقدین کی آراء:**

\*.... ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں :

”حضرت محبت کے خوشگوار ماحول کے بہترین، مقبول ترین اور مذب ترین مصور اور ترجمان ہیں۔“

\*.... ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں :

”کلام ایسا صاف اور سادہ ہے کہ سوائے میر کے اور کہیں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔“

\*.... رشید احمد صدیقی کہتے ہیں :

”حضرت غزل کے اس معیار پر گئے کہ مستقبل میں غزل کا معیار ہمیشہ حضرت ہی رہے گا۔“

\*.... پروفیسر آل احمد سرور کہتے ہیں :

”اردو غزل کی نئی نسل کی ابتداء حضرت سے ہوئی۔“

\*.... ڈاکٹر یوسف حسین خان کے بقول :

”جس طرح میر کا عشق فقیرانہ، غالب کا عشق امیرانہ تھا اسی طرح حضرت کا عشق شریفانہ ہے۔“

\*.... فراق گورکھ پوری کہتے ہیں

”حضرت کا کلام ایک مربوط، مسلسل اور زندہ غزل کی تاریخ ہے۔“

## خواجہ حیدر علی آتش

**ایک تعارف :**

کھینچ دیتا ہے شبیہ شعر کا خاکہ خیال  
فکر نگیں کام اس پر کرتی ہے پرواز کا

بندش الفاظ جرنے سے نگوں کے کم نہیں  
شاعری کام ہے آتش مرصع ساز کا

آتش کی شاعری لکھنؤی اور دہلوی مزاج کا خوبصورت امتزاج ہے جس میں حقیقی عاشقانہ تجربات کا اظہار، اندازِ بیان کی بے سانگھی، آرائشِ حسن، تخیل کی بے جا بلند پروازی اور اپنے عمد کی سطحی زندگی کا احساس نمایاں ہے۔ بالکلپن، قلندری اور رجائیت آتش کی شاعری کی نمایاں خصوصیت ہے۔ آتش کے کلام کی نمایاں خوبی ان کی تحریک اصلاح بیان ہے۔ جدید تشبیہات اور استعارات نے ان کی شاعری کا صفتِ اول کامقاوم عطا کیا ہے۔ ان کے اسٹار اردو شاعری میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

**آتش کے محسنِ کلام :**

آتش کے محسنِ کلام ذیل میں درج ہیں۔

**(۱) جذباتِ نگاری :**

آتش کی شاعری صرف خدوخال کی شاعری نہیں۔ انہوں نے جذبات اور احساسات کو نہایت موثر اور لکھنؤی انداز میں پیش کیا ہے۔ آتش نے خیال و بیان اور جذبے کو بڑی خوبی اور سلسلیت سے ہم آہنگ کر کے اپنی غزل کو سنوارا ہے۔

مثال کے طور پر —

تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو بر سوں

رہی ہے ایک تصویرِ خیالی رو برو برسوں

آئے بھی لوگ، میٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے

میں جماں یہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا

**(۲) قلندریت :**

آتش کسی بھی طرح مصلح یا واعظ نہیں۔ لیکن طبیعت میں بے نیازی کی وجہ سے تصوف اور اخلاقیات کے مضمایں بھی ان کی شاعری میں شامل ہو گئے ہیں۔ آتش نے قلبی واردات کو تصوف کی چاشنی دے کر اپنی قلندریت کے سانچے میں اس طرح ڈھالا ہے کہ ہر لفظ اپنی جگہ انگوٹھی میں نگینہ ہے۔

عکس کلام درج ذیل ہے

ظہورِ آدم خاکی سے یہ ہم کو یقین آیا  
تماشہِ انجمن کا دیکھنے خلوت نشیں آیا  
بازارِ دہر میں تیری منزل کہاں نہ تھی  
یوسف نہ جس میں ہوا یسی دکان نہ تھی

### (۳) تصورِ حسن و عشق :

آتش کے کلام کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا تصورِ حسن و عشق ہے۔ ان کے عاشقانہ تجربات اور احساسات میں سچائی اور واقعیت کا اظہار ہوتا ہے۔ آتش کے کا کلام میں لکھنؤی رجحانات کے بر عکس پاکیزگی اور معصومیت پائی جاتی ہے۔ وہ وارداتِ عشق کو نہایت سادہ اور روزمرہ کی زبان میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً

روٹھ کرنے جو جاتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ  
کل خاتم تھے، مزاج آج ہے ناساز اپنا  
کہتا ہے وہ شوخ آئینے میں عکس سے آتش  
تم ہم سے زیادہ ہو تو ہم تم سے زیادہ

### (۴) بے ثباتی حیات :

غمِ آتش کا محرک نہ تو محبوب کی بے رنجی ہے اور نہ ہی عشق میں ناکامی بلکہ غم کا یہ احساس موت کے شدید احساس کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ان کی غزل میں ایک بے ثباتی حیات کا احساس مختلف روپ میں میں ہوتا ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے

عدم کے کوچ کی لازم ہے فخر ہستی میں  
نہ کوئی شہر، نہ کوئی دیار راہ میں ہے

### (۵) ندرتِ خیال :

مرادِ یوان ہے اے آتش! خزانہ  
ہر ایک بہت اس میں ہے گنج معانی

تازگی فکر کی بھی نہ گئی  
جب سنائی نئی سنائی بات

## (۶) نشاطیہ انداز:

آتش کی شاعری میں نہ شدید غم ہے اور نہ لکھنوجی خوشی اور مستقی - ان کی شاعری میں ایک خاص قسم کی راحت کا

احساس ہے۔ مثلاً

بہار گلستان کی ہے آمد آمد  
خوشی پھرتے ہیں باغیاں کیے کیں  
ہوا تے دور منہ نوشکوار راہ میں ہے  
خزان چمن سے ہے جاتی بہار راہ میں ہے

## (۷) بر جستگی اور بے سانگی:

آتش کا اسلوب نہایت بے تکلف اور بے ساختہ ہے۔ بر جستگی اور بے سانگی آتش کی غزل کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اکثر مصرعے اور اشعار زبان زدِ عام ہو گئے ہیں۔ عکسِ کلام ۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا  
بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے  
بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا  
جو چیرا تو ایک قطرہ خون نہ نکلا  
بیانِ خواب کی طرح جو کر رہا ہے  
یہ قسم ہے جب کا کہ آتش جو ان تھا

## (۸) تشبیمات و استعارات:

آتش نے فارسی کے روایتی انداز کو ترک کرتے ہوئے جدید تشبیمات و استعارات سے اردو غزل کا دامن بھرا ہے۔ وہ شاعری کو ظاہری حسن عطا کرنے کے لئے خیالی اور روایتی تشبیمات کا سہارا نہیں لیتے بلکہ عام مشاہدات سے اپنی تشبیمات خود وضع کرتے ہیں اور جانے پہچانے مناظر کو قلبند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۔

کسی نے مول نہ پوچھا دل شکستہ کا  
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

مغور نہ ہو حسن و جوانی پہ اے آدمی  
پیری نے آسمان کی کمر کو جھکا دیا

## (۹) ندرت زبان و خیال :

آتش نے ناسخ کی اصلاح بیان کی تحریک کے الزامات بھی قبول کیں لیکن انہوں نے اپنے ذوقِ سلیم کی رہنمائی میں ایسی زبان اختیار کی جسے لوگوں میں قبولِ عام کا درجہ حاصل ہوا۔ ان کے درجنوں مصرعے اور اشعار ضرب المثل بن گئے۔

۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا  
بدتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

## (۱۰) رعایت لفظی :

رعایت لفظی یعنی تنقیل کا لفظی مناسبت کا پابند ہونا، اگر اس قدر ہو کہ شعر کی شاعرانہ کیفیتِ ختم ہو جائے تو یہ رعایتِ خوبی نہیں خامی شمار کی جاتی ہے۔ خواجہ صاحب کے کلام میں اس قسم کے بے شمار اشعار ہیں جن میں رعایت لفظی ہے لیکن ساتھ ہی تخيیل اور شاعرانہ کیفیت کی بلندی بھی ہے جس نے شعر کا حسن بڑھادیا ہے۔  
سلسلہ اپنی گرفتاری کا کب قطع ہوا  
پہنی پازیب انہوں نے جو اتارے توڑے

ناقدین کی آراء :

\*.... تاریخِ اردو ادب کے مصنف رام با بو سکسینہ کہتے ہیں :  
”میر و غالب کے بعد اگر کسی کا مرتبہ ہے تو وہ آتش ہے۔“

\*.... ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں :

”ان کی شاعری میں لکھنؤ کے مزاج اور معاشرے کے روشن اور اچھے عناصر اپنی جملہ لطفوں سمیت سمٹ کر آگئے ہیں۔“

\*.... بقول مولانا محمد حسین آزاد

”جس طرح لوگ باتیں کرتے ہیں اس طرح انہوں نے شعر کہہ دیے ہیں۔“

\*.... ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی کہتے ہیں :

”یہ اندازِ سرکشی اردو شعرا میں سب سے پہلے آتش کو نصیب ہوا۔“

\*.... اپنی ماہ ناز علمی تصنیف "لکھنؤ کا دبستان شاعری" میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں :

"ان کی افتادِ طبع نے شاعری میں انھیں لکھنؤ کے عام مذاق میں رنگے ہونے کے باوجود ایک انفرادی  
شان بخشی۔"

## نظیر اکبر آبادی

حالات زندگی :

نام شیخ ولی محمد، نظیر تخلص، دہلی میں 1746ء میں پیدا ہوئے۔ والدین کے بہت پیارے اور لاؤ لے تھے۔ ایک مکتب میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ طبیعت میں موزو نیت فطرت سے ملی تھی اس لئے شاعری شروع کر دی۔ نظیر ایک سادہ اور صوفی منش آدمی تھے۔ ان کی ساری زندگی معلمی میں بسر ہوتی۔ بہت قناعت پسند تھے کسی دربار سے وابستہ نہ ہوئے۔ آخری عمر میں فارج میں بنتا ہو گئے اور اسی مرض میں 1830ء میں انتقال کیا۔

شاعرانہ خصوصیات :

نظیر اکبر آبادی کی شاعری اپنی عیحدہ دنیار کھتی ہے۔ انہوں نے میر و سوداگی بہار سخن بھی دیکھی اور دبستان لکھنؤ کی جوانی کا نکھار بھی،

لیکن ان کی آزاد منشی اور منفرد رنگ طبیعت نے انھیں کسی دبستان کا پابند نہ ہونے دیا۔ فیض لکھتے ہیں :

"اردو شاعری کی پوری تاریخ میں نظیر ہی ایک ایسا شاعر ہے جو بذات خود ایک دور ہے، انہوں نے کسی اسکول کی پیروی نہیں کی بلکہ خود ایک دبستان کی بنیاد رکھی۔"

(۱) عوامی شاعر :

نظیر اکبر آبادی کو بجا طور پر اردو کا پہلا عوامی شاعر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر پہلو پر گہری دلچسپی سے غور کرتے ہیں۔ اردو کے دوسرے شعراء کے یہاں فلسفہ ہے، تغزل ہے، لفظی و معنوی صنائع وبدائع میں جن سے اہل علم لطف انداز ہوتا ہے لیکن ان پڑھ لوگ ان کو سمجھ نہیں پاتے کیونکہ ان میں عوام کے دل کی دھڑکنیں نہیں ہوتی ہیں۔ نظیر عوام کے ترجمان ہیں۔

(۲) انداز بیان :

نظریہ اکبر آبادی چونکہ عمومی شاعر تھے اس لئے ان کا انداز بیان بھی عمومی ہے۔ وہ سادگی و سلاست کے قائل تھے اسی لئے وہ عمومی زبان کا استعمال جوں کا توں کرتے ہیں۔

(۳) ذخیرہ الفاظ :

نظریہ اکبر آبادی کے کلام سے ہمیں اردو الفاظ کا ایک ذخیرہ ملتا ہے انہوں نے ہندی الفاظ کی آمیزش سے اردو ادب کے الفاظ کے خزانہ میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ مثلاً —

مغرورنہ ہوشکت و حشمت پر وزیر و  
اس دولت و اقبال پر مت پھولوا میر و

(۴) خوش طبعی :

خوش طبعی اور خوش باشی نظریہ اکبر آبادی کے کلام کا خاص عضر ہے۔ وہ مصیبت اور پریشانی میں بھی قہقہہ لگانے اور مذاق کرنے سے نہیں چوکتے۔ مثلاً —

جب ملی روٹی ہمیں سب نور حق روشن ہوئے  
رات دن شمس و قمر و شفق روشن ہوئے

وہ چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

(۵) تصوف :

نظریہ اکبر آبادی جہاں مصور فطرت، حقیقت نگار، معلم اخلاق اور ترجمان سماج ہیں، وہاں ان کی لا تعداد نظمیں معرفت کے مضماین سے پُر ہیں۔ مثلاً —

ہر آن میں ہربات میں ہر ڈھنگ میں پہچان

عاشق ہے تو دابر کو ہر ایک رنگ میں پہچان

(۶) فطری و قدرتی مناظر کا بیان :

نظریہ اکبر آبادی عمدہ واقعہ اور منظر نگار ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں فطری مناظر کی عمدہ منظر کشی کی ہے۔ اسی

لیے انھیں مصور فطرت کہا گیا۔ ۔

جو اس ہوا میں یار و دولت میں کچھ بڑے ہیں  
ہے ان کے سر پر چھتری اور ہاتھ میں چھڑے ہیں  
ہم سے غریب غرباء کچھ میں گردے ہیں  
ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پانچے چڑھے ہیں

#### (۷) معاشرے کی عکاسی :

نظیر اکبر آبادی کا کلام ایسا بارونق شہر ہے جس میں زندگی کا کوئی گوشہ او جھل نہیں۔ زمانہ و سماج کے عام حالات ان کی شاعری کے خاص مصنوعات ہیں۔ وہ معاشی اور اقتصادی ناہمواریوں کی دل نشیں پیرائے میں ذکر کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے نظیر اپنے دور کی جیتی جاگتی تاریخ ہے۔

ع پیسے نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

#### (۸) پند و نصائح :

نظیر اکبر آبادی کا کلام اخلاقی تعلیمات سے پر ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جسے نظیر نے موضوع نہ بنایا ہو۔

دیکھا جو ہم نے آہ! تو یہی ہے سخن  
جو خاک سے بنائے ہے وہ آخر کو خاک ہے

#### (۹) ذخیرہ الفاظ :

ہر چند کہ نظیر کے دور میں اردو زبان کے پاس الفاظ کا ذخیرہ کسی قدر کم تھا۔ الکثر شاعر اور نشنگاروں نے فارسی کو اپنایا ہوا تھا۔ لیکن نظیر نے کثرت سے نئے اردو الفاظ متعارف کرائے۔ بعد میں بعض اور شاعروں نے بھی ان کو کسی قدر اپنایا۔ اردو شاعری میں ذخیرہ الفاظ کے اعتبار سے نظیر کا مقابلہ میر انس ہی کر سکتے ہیں لیکن نظیر نے جو الفاظ کے استعمال کیے ہیں جن میں کمیں کمیں بازاری اور عوامی رنگ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ ۔

جو شاہ کھلاتے ہیں کوئی ان سے پوچھو  
دارا و سکندر رہ گئے آہ کدھر کو

## (۱۰) طبقاتی کشمکش کا بیان :

نظری کے دور میں ایسا کوئی شاعر نظر نہیں آتا جو معاشرے میں موجود مختلف طبقات یعنی امیر و غریب کی حالتوں کا اپنی شاعری میں اظہار کرے۔ لیکن نظری غریب، مظلوم اور بے سہارا انسانوں کا اپنی شاعری میں نقشہ کھیلتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی نظمیں مفلسی، زر، روٹی، آدمی نامہ بہت مشور ہیں۔

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار  
اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار  
کاندھے پر رکھ کے پالکی ہیں آدمی کمار  
حثہ صراحی، جوتیاں ڈولے بغل میں مار  
اور اس پر جو چڑھا ہے سوبے وہ بھی آدمی

## ناقدین کی آراء :

\* .... رام بابو سکینہ نظری کے بارے میں کہتے ہیں :

”نظری خالص ہندوستانی شاعر ہیں۔“

\* .... ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نظری کے بارے میں فرماتے ہیں :

”نظری کی تصویروں میں حسن بھی ہے اور بغاوت بھی، ایسے تصورات بھی جو خوش الفاظ کے پردوں میں لیے ہوئے ہیں۔“

\* .... فیض احمد فیض نظری کے بارے میں لکھتے ہیں :

”انہوں نے کسی اسکول کی پیروی نہیں کی بلکہ خود ایک دبستان کی بنیاد رکھی۔“

\* .... ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں :

”نظری کے کلام میں ان کے دور کا لکھر اور تہذیب پوری جزئیات کے ساتھ موجود ہے۔“

## نواب مرزا داعٰؒ دہلوی

نہیں ملتا کسی مضمون سے ہمارا مضمون  
طرزاپنی ہی جدا سب سے جدار کھتے ہیں

## تعارف :

نواب مرزا خاں نام اور تخلص داعٰؒ تھا۔ مئی ۱۸۳۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے ابھی چھ سال ہی کے تھے کہ ان کے والد نواب شمس الدین خاں کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فخر سے شادی کر لی۔ اس طرح

DAG قلعہ معلیٰ میں باریاب ہوئے ان کی پرورش وہیں ہوئی۔ بہادر شاہ ظفر اور مرزا فخر و دونوں ذوقَ کے شاگرد تھے۔ لہذا DAG گو بھی ذوقَ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ DAG کی زبان بنانے اور سنوارنے میں ذوق کا یقیناً بہت بڑا حصہ ہے۔

غدر کے بعد رام پور پہنچے جہاں نواب کلب علی خان نے DAG کی قدردانی فرمائی اور باقاعدہ ملازمت دے کر اپنی مصاحبہ میں رکھا۔ ”دیر الدولہ، فصیح الملک، نواب ناظم جنگ بہادر“ کے خطاب ملے۔ ۱۹۰۵ء میں فاجع کی وجہ سے حیدر آباد میں وفات پائی۔ DAG کو جتنے شاگردوں میسر آتے اتنے کسی بھی شاعر کو نہ مل سکے۔ ان کے شاگردوں کا سلسلہ ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ اقبال، جگر مراد آبادی، سیماں اکبر آبادی اور احسن مارہروی جیسے معروف شاعروں کو ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے جانشین نوح ناروی بھی ایک معروف شاعر ہیں۔

### DAG زبان کے بادشاہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ DAG اردو زبان کے بادشاہ ہیں۔ ان کی کلام میں زبان کا چھمارا، سلاست، صفائی، سحر آفرینی، رنگینی، شوخی چلبلاہٹ بلا کی پائی جاتی ہے۔ اردو زبان کو DAG کے ہاتھوں انتہائی عروج حاصل ہوا۔

نہ ہمت، نہ قسمت، نہ دل بے، نہ آنکھیں  
نہ ڈھونڈا، نہ پایا، نہ سمجھا، نہ دیکھا  
садگی، بانکپن، اغماض، شرارت، شوخی  
تو نے اندازوہ پائے ہیں کہ جی جانتا ہے

### (۱) حسن بیان:

DAG کی سب سے بڑی خوبی ان کی زبان کا حسن ہے۔ انہوں نے شاعری کو پیچیدہ تر کیوں، فارسی اور عربی کے غیر مانوس الفاظ سے بچانے کی کوشش کی اور سیدھی سادھی زبان میں واقعات اور محسوسات کو بیان کیا۔ اس وجہ سے ان کا کلام تصنیع اور تکلف سے خالی ہے۔

نہیں کھلی اے DAG یاروں سے کہہ دو  
کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے

### (۲) صاف اور بامحاورہ زبان:

DAG اپنی شاعری میں صاف اور بامحاورہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ جبے ہر صاحبِ لسان چاہے عام ہو یا خاص، بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ روزمرہ محاورے کا استعمال زیادہ کرتے ہیں، مثلاً

غیر کی محفل میں مجھ کو مثل شمع  
آٹھ آٹھ آنسو رلایا آپ نے

### (۳) صاف گوئی:

DAG صاف بات کرنے کے عادی ہیں اپنے دل کی بات واضح طور پر سامنے لاتے ہیں اور سادگی اختیار کرتے ہیں۔ اس سادگی اور اور صاف گوئی کی مثالیں جا بجا DAG کی شاعری میں نظر آتی ہے۔ مثلاً  
 ہم ساتھ ہو لیے تو کہا اُس نے غیر سے  
 آتا ہے کون اس سے کہو یہ جدا چلے  
 راہ میں ٹوکا تو جھنگلا کر بولے  
 دور ہو کمخت یہ بازار ہے

### (۴) خلوص و صداقت:

DAG صرف زبان کا شاعر ہی نہیں بلکہ انکی شاعری میں صداقت اور خلوص کا جذبہ بھی کار فرما نظر آتا ہے۔ اُن کے کلام میں حد سے زیادہ دلکشی، خلوص اور صداقت واضح طور پر نظر آتا ہے۔ مثلاً  
 تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتا دو مجھ کو  
 دوسرا کوئی تو اپنا سادھا دو مجھ کو

### (۵) انفرادیت:

DAG نے اپنے ہم عصر شعراء کی پیروی نہیں کی بلکہ اپنی الگ راہ سخن اور طرزِ گفتار نکالی جوان سے شروع ہوئی اور ان ہی پر ختم ہوئی۔ مثلاً! وہ خود کہتے ہیں کہ :

DAG مجذبیان ہے کیا کہنا  
طرب سب سے جدا نکالی ہے

### (۶) طنز و تعریض کی آمیزش:

DAG کی شاعری کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ محبوب کے بارے میں ان کے لب و لبھ میں طنز و تعریض کی آمیزش نظر آتی ہے۔ مثلاً

تمہارے خط میں نیا اک پیام کس کا تھا  
نہ تھا رقیب تو آخر وہ نام کس کا تھا  
تم کو آشفته مزاجوں کی خبر سے کیا کام  
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسا پنے

## (۷) مقالہ نگاری :

داغ کی شاعری میں مقالہ نگاری کو اہمیت حاصل ہے۔ وہ اشعار اس طرح کہتے ہیں جیسے کسی کو سامنے بٹھا کر بتائیں کرتے ہوں اور یہ ان کی بہت بڑی خوبی ہے۔ مثلاً

کیا کہا؟ پھر تو کہو! ہم نہیں سنتے تیری؟  
نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سنا تے بھی نہیں  
خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھائیے قسمیں  
محجے یقین ہوا مجھ کو اعتبار آیا

## (۸) زبان دہلی کا استعمال :

داغ نے لال قلعے میں پرورش پانی اور دہلی کی گلی کوچوں میں جوان ہوئے۔ اس لیے داغ اپنی شاعری میں زبان دہلی کا استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً

مستند اہل زبان خاص ہے دہلی والے  
اس میں غیروں کا تعارف نہیں مانا جاتا

## (۹) عشق مجازی :

داغ کی شاعری صرف ایک محور پر گردش کرتی ہے اور وہ ہے عشق۔ مومن کی طرح ان کے ہاں بھی نفسیاتی بصیرت کا اظہار جگہ جگہ ملتا ہے۔ مثال کے طور پر کہتے ہیں :

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کے وہ یہ کہتے ہیں  
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پرواہ آتا ہے  
قیامت ہیں باکنی ادا نہیں تمہاری  
ادھر آؤ لے لوں بلا نہیں تمہاری

## (۱۰) جذبات کا اظہار:

داغ نہ فلسفی تھے اور نہ کوئی بڑا نظریہ حیات رکھتے تھے وہ صرف شاعر تھے اور وہ بھی جذبات اور شوخی کے شاعر اُس نے اپنی شاعری میں جذبات کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ مثلاً

بہت جلا لے گا حوروں کو داغ بہشت میں  
بغل میں اُس کے وہاں ہند کی پری ہو گی  
تو ہے ہر جائی تو اپنا بھی یہی طور سی  
تو نہیں اور سی اور نہیں اور سی

## (۱۱) ترجم اور موسيقیت :

داغ کی غزلوں کی پسندیدگی میں اس کے ترجم اور موسيقیت کو اہمیت حاصل ہے۔ غزلوں کے ردیف اور قافیے کی تلاش میں ان کو کمال کا عبور حاصل ہے۔ ان کی بھرپوری اور زیبائی نہایت باغ و بہار ہیں ان کے ہاں الفاظ کا استعمال نہایت برمحل اور برجستہ ہے۔

داغ غیر ضروری الفاظ سے پرہیز کرتے ہیں بیان کی شوخی، بے تکلفی، طنز، جذبے کی فروانی اور تجربہ و مشاہدہ کی کثرت سے ان کی غزلیں بھرپور ہیں۔ مثلاً

تمہارے خط میں نیا اک سلام کس کا تھا  
نہ تھا رقیب تو آخر وہ نام کس کا تھا  
وفا کریں گے نبھائیں گے بات مانیں گے  
تمہیں بھی یاد ہے کچھ یہ کلام کس کا تھا

## (۱۲) قبول عام :

کسی بھی شاعر کی عظمت کو دیکھنے کے لیے جو بات اہم سمجھی جاتی ہے وہ اس شاعر کے کلام کا زبان زد عام و خاص ہونا۔ جس شاعر کے اشعار عام بول چال میں استعمال ہو تو یہ اس کی عظمت کا منہ بوتا ثبوت سمجھا جاتا ہے۔ داغ کے مصروعے جو محاورات بن کر اشعار کے قالب میں ڈھل کر ضرب الامثال بن گئے اور زبان زد خاص و عام ہو گئے ہیں۔

۱) ہر روز کی جھک جھک سے مرانا کہ میں دم ہے

۲) حضرت داغ جہاں پیٹھ گئے پیٹھ گئے

۳) تو نہیں اور سی اور نہیں اور سی

(۳) آپکے سر کی قسم داغ کو پروا بھی نہیں

(۴) ہائے کجھت تو نے پی ہی نہیں

(۵) بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

**ناقدین کی آراء :**

- داغ کی شاعری کے متعلق غالب فرماتے ہیں :

”داغ کی اردو اتنی عمدہ ہے کہ کسی کی کیا ہوگی! ذوق نے اردو کو اپنی گود میں پالا تھا۔ داغ اس کونہ صرف پال رہا ہے بلکہ اس کو تعلیم بھی دے رہا ہے۔“

- فراق گور کھپوری کہتے ہیں :

”اردو شاعری نے داغ کے برابر کافقرہ باز آج تک پیدا کیا ہے اور نہ آئندہ پیدا کر سکے گی۔“

- رام بابو سکسینہ کہتے ہیں :

”ان کی زبان کے ساتھ اس خدمت کی ضرور قدر کرنی چاہیے کہ انہوں نے سخت اور متعلق الفاظ ترک کیے اور سیدھے الفاظ استعمال کیے۔ جس سے کلام میں بے سانگلی اور فصاحت مزید بڑھ گئی ہے۔“

- خلیل الرحمن اعظمی کہتے ہیں :

”داغ کے طرز بیان میں جو صفائی اور فصاحت، جو چستی، جو نکھار، جو بیلا پن اور جوفی رچائوملتا ہے وہ بہت کم غزل گویوں کے حصے میں آیا ہے۔ داغ کافن ان کی شخصیت کی ایک تصویر ہے اس لیے اس میں بڑی جان ہے۔“

- نفیس سندیلوی کہتے ہیں :

”داغ فطری شاعر تھے وہ غزل کے لیے پیدا ہوئے اور غزل ان کے لیے ان کی زبان غزل کی جان ہے۔“

## میر ببر علی اینس

**تعارف :**

میر ببر علی اینس اردو کے ان شعراء میں سے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے سامنے الفاظ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ جس طرح سودا قصیدہ گوئی میں میر غزل گوئی میں اور میر حسن شنوی نگاری میں بے مثل ہیں اسی طرح میر اینس مرشیہ نگاری میں یختاہیں۔ اول تو میر اینس نے اپنی مرثیوں میں بہت سے نئے موضوعات کو شامل کیا ہے۔

میر اینس نے جس خاندان میں آنکھ کھولی اس میں شعروشا عری کا چرچا تھا۔ اور وہ کئی پشت سے اردو ادب کی خدمت کر رہا تھا۔ میر صناحک، میر حسن اور میر خلیق اپنے وقت کے ممتاز مرثیہ نگار تھے۔

عمر گزی ہے اسی دشتن کی سیاہی میں  
پانچویں پشت ہے شبیر کی ماحی میں

### مرثیہ نگاری کی خصوصیات۔

میر اینس کے مرثیہ کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں،

#### (۱) جذبات نگاری:

میر اینس کی وہ سب سے بڑی امتیازی خصوصیت جو ان کو اور تمام شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔ جذبات نگاری ہے۔ میر اینس کے یہاں جذبات نگاری کے ایسے ایسے نمونے ملتے ہیں جن کی مثالی اردو میں تو کیا دوسرا زبانوں میں بھی ملنا دو شوار ہے۔ مثلاً ہے

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا  
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تنکتی ہوں جس کا

#### (۲) منظر کشی:

میر اینس کا کمال یہ ہے کہ جس واقعہ کو بیان کرتے ہیں اس کی تصویر کھینچ دیتے ہیں بلکہ ان کی تصویر بھی بھی اصل سے بھی بہتر ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک بہت خوبصورت مثال پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً اس جگہ صحیح کام سماں کا کتنا اچھا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مثلاً ہے

مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بھم	چنان وہ باد صحیح کے جھونکوں کا دمبدم
سردی ہوا میں پرنہ زیادہ بہت نہ کم	وہ آب و تاب نہروہ موجود کا چیخ و خم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا	
تھامو تیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا	

#### (۳) واقعہ نگاری:

میر اینس کی نگاہوں سے دقیق اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی نہیں بچتا۔ مثلاً ایک موقعے پر گھوڑے کی تیز روی کو لکھا ہے جب حد سے زیادہ تیز دوڑتا ہے تو اُس کی دونوں کنوتیاں کھڑی ہوں کرمل جاتی ہیں۔ ہے

تیار جان دینے پر چھوٹے بڑے ہوئے  
تلواریں ٹیک ٹیک کے سب اٹھ کھڑے ہوئے

## (۴) کردار نگاری :

ڈرامہ کی طرح مرثیہ میں بھی کردار نگاری کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ایس کے کردار زندہ اور متحرک ہوتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مرثیہ کا کردار سامع کا قریبی آدمی ہے۔ میر ایس کردار سیرت، عمر اور مرتبے میں بڑی رعایت رکھتے ہیں۔ مثلاً ہے

عمل خیر سے بہ کانہ مجھے او بالیں  
یہی کونیں کا مالک ہے یہی راس و رئیں  
کیا مجھے دے گا ترا حاکم مطعون و خیں کچھ ترد نہیں کہدے کہ لکھیں پر چہ نویں  
ہاں سوئے ابن شہنشاہِ عرب جاتا ہوں  
لے ستمگر جونہ جاتا تھا تواب جاتا ہوں

## (۵) تصادم و کشمکش :

میر ایس اکثر اپنے مرثیوں میں ڈرامائی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور اس کیفیت کی کشمکش بہت زور دار ہوتی ہے۔ مثلاً ہے

گھوڑے کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار  
آتے تھے اونٹ گھات پر باندھے ہوئے قطار  
پیتے تھے آب نہ پرند آکے بے شمار  
ستھنے زمیں پر کرتے تھے چھڑ کا نوبار بار  
پانی کا دام و در کو پلانا ثواب تھا  
اک ابن فاطمہ کے لئے خطِ آب تھا

## (۶) اخلاقی شاعری :

ایس نے تمام کلام میں بلند اخلاقی لہر دوڑائی ہوئی ہے۔ جن اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم ایس نے دی ہے وہ کسی اور جگہ نہیں ملتی۔ انہوں نے نفسِ انسانی کے انتہائی شرافت کے نقشے جن موثر طریقوں سے کھینچے ہیں ان کا جواب ممکن نہیں۔  
مثلاً ہے

جس وقت مجھے ذبح کرے فرقہ ناری  
رونا نہ سنے کوئی نہ آواز تمہاری  
بے صبروں کا شے وہ ہے بہت گریہ وزاری  
جو کرتے ہیں صبر ان کا خدا کرتا ہے یاری

ہوں لاکھ ستم، رکھیو نظر اپنی خدا پر  
اس خلم کا انصاف ہے اب روز جزا پر

(۴) فصاحت و بلاغت:

میر اینس کے کلام کی ایک بڑی خصوصیت ان کی فصاحت و بلاغت ہے۔ میر اینس نے اردو شعراء میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مگر ان کے ہاں غیر فصیح الفاظ کا ملنا مشکل ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ان کو تمام دوسرے مرثیہ گو شعراء سے اور خود مرزا دبیر سے بھی ممتاز اور نمایاں کرتی ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہوں ۔۔۔

دولما سے پہلے مجھ کو اٹھا لے تو خوب ہے  
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے  
سا یہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے  
تم تو ہوا میں ہو، مری حالت خراب ہے  
پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی  
ساحل سے سر ٹپکتی تھیں موجیں فرات کی

(٨) تشبیهات واستعارات :

میر انیس نے تشبیہات اور استعارات کے نہایت دلکش نقش و نگار بنانے کے ہیں اور عجوب خوشنما رنگ بھرے ہیں۔ انیس کی تشبیہات نہایت سادہ اور بے تکلف ہوتی ہیں۔ جدت و ندرت کے ساتھ بے تکلفی اور آمد پائی جاتی ہے۔ تکلف اور بحدا این بالکل نہیں ہے۔ مثلاً ۷

پانی نہ تھا وضوجو کریں وہ فلک مآب پر تھی رخوں پہ خاک تیم سے طرف آب  
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاں ہوتے میں خاک سار غلام ابوتراب

## (۹) کلام کی ترتیب:

کلام کی ترتیب کا مطلب ہے کہ الفاظ جس ترتیب سے بول چال میں آتے ہیں جو ترتیب نثر میں ہوتی ہے وہ ترتیب شعر میں قائم رہے۔ یہ صفت قادرالکلامی کی انتہا ہے۔ اور میر انیس سے زیادہ کسی شاعر کے یہاں نہیں پائی جاتی۔ مثلاً ۷

سر پر اب علی نہ رسول فلک وقار  
 گھر لٹ گیا گزر گئیں خاتون روزگار  
 اماں کے بعد روئی حسن کو میں سو گوار  
 دنیا میں اب حسین ہے ان سب کا یادگار  
 تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے  
 کچھ اس پہ بن گئی تو یہ جمیع تباہ ہے

## (۱۰) روزمرہ محاورہ :

انیس کو خود اپنے روزمرہ و محاورہ پر نماز تھا۔ اور بجا طور پر نماز تھا۔ ایک سے زیادہ لفظ یا ترکیبیں حقیقی معنوں میں جس طرح اہل زبان استعمال کرتے ہیں ان کو روزمرہ اور مجازی معنوں میں مستعمل ہونا محاورہ کھلاتا ہے۔ مثلاً ہے

بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیر وں کو دمبدم	آگے تھے سب کے حضرت عباس ذی حشم	تیغیں جو تو لئے تھے، ادھر بانی ستم
کہتے تھے سرنہ ہو گا بڑھایا اگر قدم		

## ناقدین کی آراء :

- مولانا شبیلی انیس کے بارے میں فرماتے ہیں :

”ان کا کلام صحیح و بلیغ ہے۔ زبان صحیح اور روزمرہ بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے۔“

- رام بابو سکسینہ فرماتے ہیں :

”ادب اردو میں انیس ایک خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ حیثیت شاعر کے ان کی جگہ صفت اولین میں ہے۔“

- پروفیسر آل احمد سرور فرماتے ہیں :

”انیس نے سلاموں اور مرثیوں میں وہ شاعری کی ہے جس میں رسم کی ساری ہماہی اور بزم کی ساری رنگینی لمحے کا اُتار چڑھا اور فطرت کا ہر نقش نظر آتا ہے۔“

- شہاب سروری فرماتے ہیں :

”میر انیس نے اردو زبان کو اصطلاحات کی دولت دے کر اردو کے دامن کو مالا مال کر دیا ہے۔“

# حاریش باسیم

## ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

## تعارف :

علامہ اقبال کا نام ملک خداداد پاکستان کے تخلیل کے خالق کے طور پر بھی مشور ہے۔ اس اعتبار سے وہ صرف ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ قومی رہنمائی کا حصہ اس قدر غالب اور نمایاں ہے کہ بعض اوقات ان کی شاعرانہ حیثیت ثانوی معلوم ہوتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ ان کی شاعری بھی دراصل ان کی قومی رہنمائی کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر اقبال کو بر صغیر میں اسلامی نشاة ثانیہ کا سب سے بڑا علمبردار قرار دیا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔

اقبال اردو شاعری میں اس قدر بلند نام ہے کہ شاید صدیوں تک کوئی اتنا بڑا قد آور شاعر پیدا نہ ہو سکے۔ اقبال نے شاعری کی شکل میں اپنے افکار و نظریات اور جذبات و محسوسات کا جو سرمایہ چھوڑا ہے وہ بہت زیادہ قابل قدر ہے۔

### اقبال کے مجموعہ ہائے کلام:

- |                   |                |                  |                 |
|-------------------|----------------|------------------|-----------------|
| (۱) بانگِ درا     | (۲) بالِ جبریل | (۳) ضربِ کلیم    | (۴) پیامِ مشرق  |
| (۵) زبورِ عجم     | (۶) جاوید نامہ | (۷) ارمغانِ حجاز | (۸) اسرارِ خودی |
| (۹) رموزِ بے خودی |                |                  |                 |

نشر میں اقبال کی کتابوں میں مندرجہ ذیل دو کتابیں بہت مشہور ہیں:

(۱) تشکیلِ جدید المیات

(۲) علمِ الاقتصاد

### کلام اقبال کی خصوصیات:

علامہ اقبال کے کلام کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

#### (۱) رفتہ تخلیل:

تخلیل کی رفتہ اور بلند آہنگی میں اقبال اردو کے تمام شاعروں سے سبقت لے گئے ہیں۔ ان کی فکر بوس فکر کی روشنی میں قاری خیالات کے نئے نئے افق دیکھتا ہے۔ مثلاً

برتر از اندیشه سود و زیاب ہے زندگی

ہے بکھری جاں، اور بکھری تسلیم جاں ہے زندگی

#### (۲) کلاسیکیت اور رومانیت:

جس شاعری میں سرستی، جذبے اور تخلیل کا بھرپور رچاؤ ہو، اسے رومانی شاعری کہتے ہیں اور وہ شاعری جس میں مسلمہ اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے روایتی اسلوب بیان کا خاص طور پر بحاظ رکھا جاتے اسے کلاسیکی شاعری کہا جاتا ہے۔ اقبال کی شاعری میں ہمیں فکر کی گہرائی اور جذبے کی شدت کے ساتھ ساتھ کلاسیکیت کا ایک منفرد انداز بھی ملتا ہے۔ مثال کے طور پر:

عشق کی اک جست نے کر دیا قصہ تمام  
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

## (۳) سوز و گداز:

اقبال کے دل کا سوز و گداز ان کے اشعار میں بھی نمایاں ہے۔ سوز و گداز کی یہ کیفیت صقلیہ بلاد اسلامیہ، گورستان شاہی اور حضور رسالت مآب میں پورے عروج پر ہے۔ عکسِ کلام ملاحظہ ہو:

احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا

سوز و تب و تاب اول، سوز و تب و تاب آخر

## (۴) منظر نگاری:

اقبال مناظرِ فطرت کی لفظی تصویریں بڑی خوبی سے کھینچتے ہیں۔ ان کی اکثر نظمیں منظر کشی کا شاہراہ کار ہیں۔ مثلاً

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں

ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

پانی کو چھورہ ہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی

جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

## (۵) تشبیہ و استعارہ:

اقبال تشبیہوں اور استعاروں کو بڑی فکارانہ مہارت کے ساتھ اپنے شعروں میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً

جیسے سو جاتا ہے گھوارے میں طفیل شیر خوار

موحِ مضطرب تھیں کہیں گھرائیوں میں مستِ خواب

جگنو کی روشنی ہے کاشانہ چمن میں

یا شمعِ جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

## (۶) فلسفہ خودی:

علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے خودی کی تعلیم دی۔ خودی سے مراد انسان کے اندر وہ پوشیدہ قوت ہے جو انسان میں خدائی صفات پیدا کرتی ہے اور پھر انسان عناصر کو نین پر حکومت کرنے لگتا ہے۔ جب انسان کی خودی مستحکم ہو جاتی ہے تو کوئی اسے شکست نہیں دے سکتا۔ چنانچہ خودی کی تعلیم دیتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں: ہے

میرا طریق امیری نہیں، نقیری ہے

خودی نہ نیچ، غریبی میں نام پیدا کر

## (۷) فلسفہ عشق :

اقبال کی شاعری میں فلسفہ عشق بڑی وضاحت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ ان کے کلام میں عشق کو مرکزیت حاصل ہے۔ انہوں نے اس روحانی اور جذباتی قوت کو عشق کہا ہے جو انسان میں عمل کی بے پناہ قوت پیدا کر کے اس کو عظیم جذبات کا راستہ دکھاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں : -

بے خطر کو دپڑ آتشِ نمرود میں عشق  
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی  
پختہ ہوتی ہے، گر مصلحتِ اندیش ہو عقل  
عشق ہو مصلحتِ اندیش، تو ہے خام ابھی

## (۸) فرنگی مخالفت :

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جانجا انگریز کی مخالفت کی ہے اور ہمیشہ اپنی قوم کو یہ سبق دیا کہ ہم مسلمانوں کا اپنا طریقِ حیات ہے ہمیں اپنے رسول کی اسوہ حسنہ پر عمل کر کے اسی کی پیروی کرنی چاہئے۔ انگریز کی اس ظاہری چمک دمک سے متاثر نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں : -

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ  
سرمه ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف اور

اٹھانہ شیشہ گران فرنگ کے احسان

سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

# حارت ب علم

## (۹) نوجوانوں کو خطاب :

علامہ اقبال ایک انقلابی شاعر ہیں۔ اور انقلاب کیلئے سب سے اہم طبقہ نوجوان نسل ہی ہوا کرتا ہے۔ اسی لئے علامہ نے اپنے کلام میں کئی جگہ نوجوانوں کو مخاطب کیا ہے اور ان کے جذبات ابھار کر ملک و قوم کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ وہ نوجوانوں سے مخاطب ہیں : -

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے

ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

خدائجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے

کہ تیرے بحر کی موجود میں اضطراب نہیں

## (۱۰) حقیقت پسندی:

اقبال فطرت انسانی اور نفیسیات کے گھرے رمز سے آشنا تھے۔ وہ زندگی اور اس کے مصائب وسائل کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ انھیں انسانی نفیسیات کا گھر اشعار حاصل ہے۔ اور انہوں نے اپنے اس شعور سے نہایت مفید نتائج اخذ کئے ہیں۔ اور ہمیشہ حقیقت پسندی کی تعلیم دی۔ مثلاً ہے

اہل نظر! شوقِ نظر خوب ہے لیکن  
جو شی کی حقیقت کونہ جانے وہ نظر کیا

## (۱۱) تہذیب اسلاف:

علامہ اقبال نے ہمیشہ اپنے اسلاف کی تہذیب کی پیروی کی تعلیم دی۔ غیروں کی نئی تہذیب کے نقصانات کو واضح کیا۔ ان کے خیال میں پاک و ہند کے لوگوں کو اپنے اسلاف اور اکابرین کی تہذیب ہی کو حرض جاں بانا چاہتے ہیں۔ ہندی تہذیب کے مقابلے میں یورپی تہذیب کو ہرگز ترجیح نہ دیتی چاہتے۔ چنانچہ وہ کہہ اٹھئے ہے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں  
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

ناقدین کی آراء:

\*....بابائے اردو مولوی عبدالحق کہتے ہیں:

اقبال بر صغیر کے ہی نہیں، بھی نوع انسان کی لازوال تہذیب کے ایک برگزیدہ مفکر اور شاعر کی جیشیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

\*....آل احمد سرور کہتے ہیں:

اقبال کی کوششوں سے جدید اردو شاعری میں ایک نیارنگ و آہنگ پیدا ہوا۔

\*....علی سردار جعفری کہتے ہیں:

اقبال نے ہمیں انسان کا جو عظیم الشان تصور دیا ہے وہ پہلے کے اردو ادب میں کمیں نہیں ملتا۔

\*....ڈاکٹر سید عابد حسین کہتے ہیں:

اقبال کی شاعری تو آب حیات کا خزانہ ہے۔ جس سے زندگی اور زندہ دلی کے چشمے ابلتے ہیں۔

\*....عبد القادر سرروی کہتے ہیں:

”اقبال اردو شاعری میں ایسے دور کے موجود ہیں جس کا بڑا وصف رفتہ خیال اور فلسفیانہ بلند آہنگی

” ہے۔“

\*....ڈاکٹر شمسیہ بیگم کے بقول :

”اقبال نے اپنی شاعری سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور انھیں خوابِ غفلت سے

” جگایا۔“

\*....اقبال اپنی نظر میں :

عطا ایسا بیان مجھ کو ہوار نگیں بیانوں میں  
کہ باہم عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں



### حاصلِ کلام :

الغرض اقبال کی شاعری وہ بانگ درا ہے جس نے ہمارے ذہن کو توانائی بخشی، اقبال کی شاعری وہ ضربِ کلیم ہے جس نے ہماری بے حصی اور جمود توڑا۔ اور میں بانگ دبل یہ بات کہتا ہوں کہ اقبال کا کلام ہمارا عظیم سرمایہ ہے جس کی ہمیں قدر کرنی چاہئے۔ آج ساٹھ ستر سال گزرنے کے بعد بھی ان کے کلام میں وہ قوت و طاقت ہے کہ براہ راست دل پر اثر کرتی ہے۔ علامہ ہبی کے کلام سے یہ اشعار ان کی نذر کرتا ہوں : -

اے جہاں آباد! اے گھوارہ علم وہنر  
ہیں سر اپنانالہ خاموش تیرے با مودر میں  
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر  
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گھر  
دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے؟  
تجھ میں پنهان کوئی موتی آب دار ایسا بھی ہے؟

**M. HARIS BASIM**

University Lecturer | Research Scholar  
Islamic Financial Consultant

www.harisbasim.weebly.com 0313-2577255

/HarisBasimHB /HarisBasimHB /HarisBasimHB /HarisBasimHB